مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے فی شمارہ ۱۲ روپے
پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ روپے
دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر
بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، شیرستان بلڈنگ
بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن 25% ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۰ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۰۲ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات

ملک کی عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) نہایت لائق احترام ہے، اس کے فیصلے سے سرتابی جرم ہے، عام حالات میں اس کے فیصلوں کو زیر بحث بھی نہیں لانا چاہئے گو یہ کوئی جرم نہیں، ملک میں ڈکٹیٹر شپ نہیں، ایک جمہوری حکومت ہے، لوگوں کو فکر و رائے کی آزادی حاصل ہے۔ جج صاحبان انسان ہیں اور انسان کی سرشت میں خطاء و نسیان داخل ہے، بہ تقاضائے بشریت انبیاء علیہم السلام سے بھی فیصلے میں غلطی ہوئی ہے مگر وحی الٰہی نے انہیں فوراً متنبہ فرمادیا ہے، غلطیوں سے مبرا تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو انسان کے حالات و مصالح اور نفع و ضرر سے واقف ہے، کس کی مجال ہے کہ اسے دھوکا اور فریب دے دے؟ اس لئے اس کے فیصلے اور قانون میں کبھی رد و بدل نہیں ہوتا، عدالتوں کو دھوکا اور فریب دینا عام بات ہوگئی ہے، حال ہی میں ملک کی عدالت عالیہ کی ایک سہ رکنی بنچ نے تعلیم کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے اس سے اقلیتوں کی مایوسی اور بے اطمینانی میں اضافہ ہوا ہے اور وہ فل بینچ کا فیصلہ بھی نہیں ہے اور نہ اس میں چیف جسٹس شریک تھے اس لئے اس پر نظر ثانی ہونی چاہئے۔

فیصلے کے مطابق اس سے آئین کی دفعہ ۲۱ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی جس میں بچوں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ پڑھائی کے لئے اپنی پسند کا نصاب چن لیں، سپریم کورٹ نے سکنڈری اسکول تعلیم کے لئے مرکزی حکومت کے متنازعہ قومی نصاب فریم ورک ۲۰۰۲ کو نافذ کرنے اور تاریخ و ہندی سمیت سوشل سائنس کی نصابی کتابیں چھپنے کی اجازت دیتے ہوئے اس کے معترضین کی یہ دلیل مسترد کردی کہ وزارت ترقی وانسانی وسائل تعلیم پر بھگوا رنگ چڑھانا چاہتی ہے اس سے قبل کے تاریخ و ہندی سمیت سوشل سائنس کی نصابی کتب کی اشاعت کو موقوف کئے جانے والے عبوری حکم کو بھی ختم کردیا اور کہا کہ اسکولوں میں تعلیم کو اقدار پر مبنی بنانے کے لئے مذہبی تعلیم شروع کرنے میں کوئی قباحت نہیں، عرضی کے اس الزام پر کہ حکومت نے تعلیمی پالیسی کی اعلیٰ ترین باڈی مرکزی تعلیمی مشاورتی بورڈ کے مشورے کے بغیر اسکولی نصاب پر اس نیت سے نظر ثانی کی ہے کہ ایک خاص سیاسی اور مذہبی نظریہ کو فروغ دے، عدالت کا احساس یہ تھا کہ بورڈ سے مشورہ نہ کرنا نصاب کو مسترد کرنے کی بنیاد نہیں بن سکتا، وہ عرصہ سے ٹھپ ہے اور کوئی قانونی ادارہ نہیں ہے، اس نے حکومت کو اسے تشکیل دینے کا مشورہ دیا اور یہ تنبیہ کی کہ مذہبی تعلیم کے نام پر اسکول کے نصاب میں مذہبی جارحیت پسندی، ذاتی تعصبات اور توہمات کو شامل نہ کیا جائے بلکہ حق پرستی، راست بازی، جذبۂ تعاون، دوسرے مذاہب کے احترام اور عدم تشدد کی تعلیمات شامل ہوں۔

ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے، اس میں مختلف عقیدہ و مذہب اور رنگ و نسل کے لوگ آباد ہیں، ہر فرقہ و مذہب کی الگ شناخت ہے، تمام فرقوں اور ملتوں کی تہذیب اور رسم و رواج جدا جدا ہے، ہر علاقے کی زبان بھی ایک نہیں ہے، ایک ہی مذہب کے اندر کئی کئی فرقے ہیں اور سب کی علحدہ خصوصیات ہیں، مسلمان جو تفرقوں کو ختم کرنے آئے تھے، ان میں بھی بوہرہ، خوجہ، شیعہ، سنی، حنفی، دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث وغیرہ مختلف فرقے ہیں، ان میں سے کوئی فرقہ اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مسلک کی تعلیم حاصل کرنا پسند نہیں کرتا، ہندوؤں کے فرقوں سناتن دھرم، بدھ مذہب، جین مذہب، آریہ سماج اور برہمو سماج میں اختلاف اور زیادہ ہے، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں میں بھی متعدد فرقے ہیں، سوال یہ ہے کہ جب کوئی فرقہ اپنے ہی مذہب کے دوسرے فرقے کی کتاب پڑھنا، تعلیم حاصل کرنا اور اس کی تہذیب کو اختیار کرنا پسند نہیں کرتا، تو وہ دوسرے عقیدہ و مذہب کے ماننے والوں کی تعلیم حاصل کرنا کیسے گوارا کرے گا، اسی لئے دستور سازوں نے ملک کا آئین سیکولر بنایا ہے تاکہ وہ مختلف مذہبی، لسانی، تہذیبی اور نسلی گروہوں کے لئے یکساں قابل قبول ہو اور اس کی وجہ سے ان میں اتحاد و یک جہتی باقی رہے، اسی لئے سرکاری تعلیم گاہوں کا نصاب بھی سیکولر ہونا چاہئے اور خاص طور پر ابتدائی اور ثانوی مرحلے کے نصاب میں کسی خاص فرقہ کی خواہ وہ اکثریت ہی میں کیوں نہ ہو تعلیم نہیں دی جانی چاہئے، ہمارا اصل اعتراض یہی ہے کہ سیکولر ملک کے اداروں کو بھی سیکولر ہونا چاہئے اور ان کے نصاب میں مذہبی تعلیم شامل نہیں ہونی چاہئے، اگر شامل کی گئی تو اس سے ملک میں اختلاف و انتشار بڑھے گا اور مختلف فرقوں اور مذہبوں کے ماننے والوں میں اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی پیدا نہیں ہوسکے گی، ہمارا احساس یہ ہے کہ حکومت کی نیت ٹھیک نہیں ہے، وہ تعلیم کو بھگوا رنگ میں رنگ کر ایک خاص مذہب کی تعلیم دلانا چاہتی ہے، جس کے نقصانات پر اس کی نظر نہیں ہے، یا وہ قصداً ان سے چشم پوشی کررہی ہے، اس کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے تمام اقلیتوں کو سپریم کورٹ سے درخواست کرنی چاہئے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے اسے سب کے لئے قابل قبول بنائے۔

دارالمصنفین کے جلسہ انتظامیہ میں اس کی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے لائف ممبر بنانے اور اس کے لئے بعض مرکزی شہروں کے دورے کی تجویز پیش ہوئی تھی، اس سلسلے میں پہلے اعظم گڈھ میں مقامی ارکان مرزا امتیاز بیگ اور ڈاکٹر سلمان سلطان کی تگ و دو سے سات آٹھ حضرات لائف ممبر بنے اور ابھی بعض متوقع ہیں اور اب علی گڈھ میں وہاں کے ارکان محترمی پروفیسر ریاض الرحمن خاں شروانی اور ڈاکٹر ظفر الاسلام کی کوشش و توجہ سے پانچ حضرات نے ممبری قبول کی، راقم ان حضرات کی دعوت پر گزشتہ ماہ علی گڈھ گیا تھا،

خیال ہے کہ وہاں اور کوشش کی جائے تو مزید کامیابی ہوگی، ادارۂ علوم اسلامیہ کے سربراہ پروفیسر عبدالعلی صاحب نے ۱۵ ستمبر کو راقم کے توسیعی خطبہ کا انتظام کیا تھا، جس کا عنوان "امام ابو یوسف کی مجتہدانہ بصیرت تھا" اسی روز وہاں "اجتہاد اور شورائیت" کے موضوع پر پروفیسر احتشام احمد ندوی سابق صدر شعبہ عربی کالی کٹ یونیورسٹی نے خطبہ دیا تھا، جلسے کی صدارت پروفیسر محمد سالم قدوائی سابق صدر شعبہ اسلامیات علی گڈھ اور نظامت ڈاکٹر ظفر الاسلام نے کی، پروفیسر ریاض الرحمن خاں شروانی مہمان خصوصی کی حیثیت سے رونق افروز ہوئے، پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی سابق صدر شعبہ نے دونوں مقالوں پر کچھ سوالات کئے۔

جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ کی عمر زیادہ نہیں مگر وہ اپنے بانی مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کی سرپرستی، کارکنوں اور اساتذہ کے جوش و اخلاص سے دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے، جامعہ اپنی شاندار اور پرشکوہ عمارتوں ہی کی وجہ سے پرکشش نہیں ہے بلکہ اپنی بہتر تعلیم اور اچھی تربیت کی بنا پر بھی ممتاز ہے، یہاں اکثر علماء و مشائخ کی آمد و رفت بھی رہتی ہے، جن کی رہنمائی اور مواعظ سے طلبہ و اساتذہ مستفیض ہوتے ہیں، الشارق کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہوتا ہے، طلبہ کا سالانہ اردو عربی تقریروں اور تحریروں کا مقابلہ بھی ہوتا ہے، اس سال اس کا سلسلہ ۲۱ ستمبر سے شروع ہو کر ۲۴ ستمبر کو ختم ہوا جو بڑا کامیاب رہا، مقابلوں کے جلسوں کی صدارت اور محاکمہ کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء اور دوسرے مدارس کے فضلا تشریف لاتے ہیں، ۲۱ ستمبر کے اردو کے تقریری و تحریری مقابلے میں راقم بھی شریک ہوا اور طلبہ کی تقریروں اور تحریروں سے متاثر ہوا، اس وقت ایک اسٹڈی سنٹر کی منفرد طرز کی عمارت تعمیر ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ جامعہ کو شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔

یہ سطریں زیر تحریر تھیں کہ گجرات کے مرکزی مقام گاندھی نگر کے اکشر دھام مندر پر بھیانک حملے کی خبر ملی، جس میں ۳۰-۴۰ افراد ہلاک اور ایک صد کے قریب اشخاص زخمی ہوگئے، یہ بڑا وحشیانہ، سنگ دلانہ اور نہایت قابل مذمت اور افسوس ناک واقعہ ہے، آخر ملک سے وحشت و درندگی کا خاتمہ کب ہوگا اور کب تک گجرات میں خون کی ہولی کھیلی جاتی رہے گی، زلزلوں سے تباہ ہونے کے بعد تقریباً چھ ماہ سے وہاں بدترین قسم کے ہونے والے فسادات ابھی بند نہیں ہوئے تھے کہ مندر کے بے قصور اور بے گناہ پجاریوں اور سیاحوں کو خوں ریزی اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا ؎ تفو برتو اے چرخ گرداں تفو۔ قصور واروں کو ضرور عبرت ناک سزا دی جائے مگر پولیس اور انتظامیہ خواہ مخواہ بے گناہوں کو تنگ نہ کرے، دراصل آئے دن اس طرح کے حملے اور بم دھماکے اور تشدد کے واقعات مرکزی اور صوبائی حکومت کی ناکامی اور نااہلی کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔

مقالات

اسلامی عقائد کے بارے میں چند اصولی باتیں

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے افادات

از: ضیاء الدین اصلاحی

اسلام میں عقیدے کی بڑی اہمیت ہے، اسی بنا پر قدیم علما و متکلمین نے عقائد پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، لیکن یونانی فلسفہ و کلام سے کثرت اشتغال کی بنا پر ایسے اہم اور بنیادی مسئلے میں بھی ان کا دار و مدار نصوص کے بجائے معقولات و مظنونات پر زیادہ رہا ہے، کتاب و سنت کے دلائل و شواہد اور ان کی اصطلاحات و تعبیرات کو چھوڑ کر قدیم منطق و فلسفہ کی اصطلاحیں اور تعبیریں اور حکمائے یونان کے بحث و استدلال کے طریقے ان کے طریقۂ فکر و استدلال پر بھی چھائے رہے، اسی لئے امت میں مختلف فرقے پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کو مدلل کرنے کے لئے قرآن مجید میں غیر ضروری اور دور از کار تاویل و توجیہ ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ایک فرقے نے دوسرے کی تضلیل و تکفیر بھی کی، غرض اس کی وجہ سے امت میں اعتقاد و عمل کی گوناگوں خرابیاں پیدا ہوئیں اور حقیقت خرافات میں کھوگئی۔

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص بصیرت اور اس کی فہم و معرفت کا اعلیٰ ذوق بخشا تھا، ان کی زندگی کا بڑا حصہ کتاب اللہ میں غور و فکر میں بسر ہوا، تفسیر نظام القرآن کے علاوہ قرآنی علوم و معارف پر بھی انہوں نے کئی مہتم بالشان تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

قرآنی علوم پر مولانا نے جو کتب و رسائل قلم بند کئے ہیں، وہ دراصل ان کی تفسیر نظام القرآن ہی کے مقدمے اور اجزا ہیں، ان کی تحریر وتصنیف کا مقصد یہ ہے کہ جب اس طرح کے مباحث تفسیر میں آئیں، تو وہاں تکرار و اعادہ کی ضرورت نہ پیش آئے اور مقدمے کے ان اجزا سے ان کی توضیح وتشریح ہوجائے۔

عقائد کی دینی اہمیت اور قرآنی تعلیم کا لازمی بنیادی جز ہونے کی بنا پر مولانا نے اس پر بھی ایک مستقل تصنیف **القائد الی عیون العقائد** کے نام سے لکھی تھی جو اب چھپ گئی ہے، مولانا نے عام فلاسفہ اور حکمائے اسلام کے برخلاف عقائد کے معاملے میں تمام تر قرآن مجید پر اعتماد وانحصار کیا ہے، اور ان سے متعلق ان ہی باتوں کو تسلیم کیا اور قابلِ اعتنا سمجھا ہے جو ظن وتخمین کے بجائے نقلِ صحیح اور عقلِ صریح سے ثابت ہیں۔

اس کتاب میں مولانا نے قرآن حکیم کی روشنی میں اسلام کے تین بنیادی عقیدوں الوہیت، رسالت اور معاد کے بارے میں اپنے نتائجِ فکر وتحقیق پیش کئے ہیں، جو ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے، مقدمہ میں عقیدے کی اہمیت اور اس کے سلسلے میں بعض ضروری اور بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں، پہلے باب الوہیت میں اللہ کے ناموں، اس کی صفتوں اور اس کی جانب منسوب افعال واعمال کے بارے میں جو صحیح عقیدہ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے یا جس کی نظم قرآن سے نشاندہی ہوتی ہے، اس کی شرح ووضاحت کی گئی ہے، قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی جانب جن افعال کی نسبت کی ہے، جیسے خیر وشر کی تخلیق، ہدایت وضلالت، جبر واختیار اور رویتِ الٰہی وغیرہ، ان پر مولانا کی فاضلانہ اور فکر انگیز بحث سے ان کی صحیح حقیقت اس طرح سامنے آجاتی ہے کہ اللہ کی شان وعظمت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا اور وہ سب اختلافات اور الجھنیں بھی رفع ہوجاتی ہیں جو قدیم متکلمین کی کتابوں میں موجود ہیں، دوسرے باب میں عقیدۂ رسالت کا ذکر ہے، اس میں نبوت کی ضرورت، انبیاء کے منصب، ان کی عصمت،

وحی کی صحت کے دلائل، شفاعت، بندوں کی جانب سے اللہ کی جناب میں رسول کی عرض و معروض، تبلیغ، ہجرت اور معجزہ وغیرہ کے بارے میں قرآنی نقطۂ نظر کی وضاحت عالمانہ انداز میں کی گئی ہے۔

آخری باب معاد کے متعلق ہے مگر یہ بہت مختصر ہے، اس میں پہلے توحید ورسالت سے معاد کا تعلق دکھایا گیا ہے، پھر جنت ودوزخ کی حقیقت اور معادِ جسمانی وروحانی وغیرہ پر مولانا نے اپنے خاص انداز میں بحث وگفتگو کی ہے، مولانا کی دوسری تصنیفات کی طرح القائد الی عیون العقائد بھی نامکمل اور غیر مرتب تھی، تاہم جس قدر بھی ہے نہایت مفید اور حقائق ودقائق سے معمور ہے، اس کو پڑھ کر بڑی بصیرت اور عقائد کے بارے میں قرآنی نقطۂ نظر سے واقفیت ہوتی ہے اور قدم قدم پر کلام مجید میں مولانا کی دقتِ نظر، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کا ثبوت ملتا ہے، دراصل یہ کتاب ان کے تدبر فی القرآن کا نچوڑ اور دین وشریعت کی مزاج شناسی کا نمونہ ہے۔

مولانا فراہیؒ کی تصنیفات کے اخذ واقتباس کا سلسلہ علامہ شبلیؒ نے الندوہ میں شروع کیا تھا، ان کی یہ روایت ان کے شاگرد رشید مولانا عبدالسلام ندویؒ نے معارف میں بھی شروع کی تھی، ان حضرات کے تتبع میں راقم کو بھی ان صفحات میں یہ مضمون شامل کرنے کا خیال آیا، اگر موقع ملا اور اہلِ نظر نے پسند کیا تو پوری کتاب کے اہم مباحث و مشمولات ان صفحات میں آئندہ پیش کئے جائیں گے، اس اشاعت میں اس کے مقدمہ کے مندرجات دیئے جارہے ہیں جو عقائد سے متعلق اصولی اور بنیادی امور وحقائق پر مشتمل ہے۔

۱۔ عقائد کو خالص علمی مسائل میں سے ایک مسئلہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ ان کا تعلق صرف علمی مسائل سے نہیں ہے بلکہ ان پر قلبی اعتقاد بھی ضروری ہوتا ہے اور یہ انسان کے ارادے کے تحت آتے ہیں اور ان سے اس کی رغبت ونفرت وابستہ ہوتی ہے، اگر عقیدہ صحیح ہوگا تو ہمارے علوم واعمال بھی صحیح ہوں گے اور اگر عقیدہ ہی درست نہ ہوا تو ہمارے قلب ونظر میں بھی کجی اور فساد

پیدا ہو جائے گا، اس لئے ہم کو صحیح و صالح اور غلط و فاسد عقائد کی معرفت ہونا نہایت ضروری ہے، تا کہ ہم گمراہی اور شقاوت سے بچ سکیں۔

۲۔ عقائد ظنی نہیں ہیں، اس لئے ان کے بارے میں صرف نقل صحیح اور عقل صریح ہی پر اعتماد کیا جائے گا اور اعتقاد رکھنے والے کو اسی پر اکتفا کرنا ہوگا جس کا از روئے نقل و عقل احتمال ہو اور جس پر اسے یقین و بصیرت اور شرح صدر حاصل ہو، اسی بنا پر عہد صحابہ میں عقائد کے مسائل بہت کم تھے اور وہ جانی بوجھی اور صحیح و ثابت چیزوں ہی پر اعتقاد رکھتے تھے، عقائد کے مسائل میں زیادتی اس زمانے میں ہوئی، جب طبیعتوں میں فساد اور عقل میں فتور پیدا ہوا، تقوی و خشیت الٰہی میں کمی آ گئی اور بحث و جدال کا زور بہت بڑھ گیا۔

۳۔ عقائد کے معاملے میں لب کشائی اور زبان درازی نہایت مہلک ہے، علم و واقفیت کے بغیر ان میں بحث و تدقیق سے اللہ تعالیٰ پر افتراء و بہتان اور ناروا جسارت کا دروازہ کھلتا ہے جس کی شناعت و مذمت جا بجا قرآن مجید میں نہایت صراحت سے کی گئی ہے، اگر انسانی عقل کے لئے الٰہیات کے مباحث و تفصیلات کو جان لینے کی واقعی کوئی راہ ہوتی تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کیوں ہوتی؟ عقل تو ہدایت الٰہی سے روشنی حاصل کئے بغیر تمدن کے امور و مسائل کی جزئیات و تفصیلات میں بھی بکثرت ٹھوکریں کھا جاتی ہے تو پھر الٰہیات میں اس کی عاجزی و درماندگی کا کیا حال ہوگا اس لئے جو کچھ صراحت و وضاحت سے کتاب و سنت سے ثابت ہو اسی پر قناعت کرنا نہایت ضروری ہے، جو دین فطرت یعنی اسلام کی اصل و اساس ہے۔

عقل کے نور بصیرت اور اطمینان قلب میں اضافے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انفس و آفاق کو جو گوناگوں اور بے شمار دلائل ودیعت کئے ہیں وہی اس کی طلب و تلاش اور غور و خوض کا ایک نہایت وسیع میدان ہے، رہے عقائد تو ان کی مراد کی تعیین کے سلسلے میں متشابہات کو رد کر کے محکمات کو اختیار کیا جائے گا اور مظنونات و قیاسات کے بجائے بدیہیات اور یقینیات کے مطابق

فیصلے کئے جائیں گے، اختلافات کی صورت میں تطبیق کا راستہ اس لئے اختیار کیا جائے گا تا کہ کوئی تناقض باقی نہ رہے لیکن نقل کے معاملے میں عقل کو یکسر معطل اور متروک نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ نقل کے معانی و مطالب کو سمجھنے کے لئے عقل پر اعتماد کیا جائے گا، قرآن مجید میں نزاعات کو اللہ و رسول کی جانب لوٹانے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی مخاطب عقل ہی ہے۔

۴۔ یہ بڑی دردناک حقیقت ہے کہ عقائد کے معاملے میں مسلمانوں میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان میں اتنے متضاد قسم کے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کر رہے ہیں اور یہ اس بنا پر کہ انہوں نے ان باتوں میں غور و خوض کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے جن میں غور و خوض کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی، چنانچہ ایسی ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں جو بے بنیاد اور بے ثبوت ہیں، بعض نصوص سے وہ نتیجے نکالے گئے ہیں جو دوسرے نصوص کے بالکل خلاف ہیں، حالانکہ ان سب کی انہیں ممانعت کی گئی تھی اور صحیح طریقہ یہ بتایا گیا تھا کہ وہ نص سے تجاوز نہ کریں اور اعتقاد و عمل کے باب میں محکمات کی پناہ لیں اور متشابہات میں نہ پڑیں، مثلاً رویت الٰہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (انعام۔ ۱۰۳:۶) — اللہ کو نگاہیں نہیں پاتیں لیکن وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔

اس کی بنا پر ایک گروہ کا خیال ہے کہ رویت محال ہے، حالانکہ صحیح حدیث (۱) میں ہے

---

(۱) اس مفہوم کی حدیث صحاح کی اکثر کتابوں اور مسند احمد میں بھی ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح کے متعدد ابواب میں اس کی تخریج کی ہے، کتاب التوحید میں جریر بن عبداللہ کی جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

قال كنا جلوسا عند النبی ﷺ اذا نظر الى القمر ليلة البدر فقال انكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر لا تضامون فی رؤيته (کتاب الرد علی الجهمية والتوحيد باب قول الله وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة (جلد دوم ص ۱۱۰۵ مطبوعہ دیوبند)

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ کی نگاہ چودہویں کے چاند پر پڑی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے رب کو اسی چاند کی طرح بغیر کسی مزاحمت کے (روشن اور دمکتا ہوا) دیکھو گے۔

کہ "مومنین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے" اور منطوقِ قرآنی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے کفار کی شقاوت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:-

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ (المطففین-۱۵:۸۳)

ہرگز نہیں! بلکہ اس دن وہ اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔

ان نصوص کی وجہ سے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ قیامت کے دن مومنین اللہ کو دیکھیں گے اور ادراک والی آیت دنیا کی رویت سے مخصوص ہے۔

دونوں گروہوں کا تمسک عقلی ونقلی دلائل پر ہے مگر وہ بے فائدہ ایسے جھگڑوں میں الجھ گئے جو دینی حیثیت سے غیر اہم اور بے نتیجہ ہیں، صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ رسول کی لائی ہوئی ہر ہر بات پر ایمان اور یہ یقین رکھتے تھے کہ کتاب وسنت کی باتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے، اس لئے ہمارا بھی یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ "نگاہیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کریں گی" مگر اسی کے ساتھ ہم یہ بھی اعتقاد رکھیں گے کہ مومنین کسی پردہ وحجاب کے بغیر اسے دیکھیں گے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ دونوں عقیدوں میں کوئی تناقض نہیں ہے اور یہی دوسرے مختلف فیہ مسائل کا بھی حال ہے۔

اعتقاد کا موضوع

۱- اللہ تعالیٰ نے ہم کو جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے وہ بالکل واضح اور صریح ہیں، ان کو فطرتاً ہماری عقل بھی مانتی اور قلب بھی تسلیم کرتا ہے، ایسی واضح اور صریح باتوں میں کسی قسم کا اشتباہ نہ تو کتاب اللہ میں پایا جاتا ہے اور نہ ہماری عقول میں اور یہی عقائد توحید ورسالت ومعاد کی شیرازہ بندی کرنے والی چیز ہے۔

ان امور کی جو تفصیلات اللہ نے بیان کی ہیں، ان میں سے بعض کو جاننے کا خبر کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں ہے اور بعض کی صحیح تصویر اور اصلی نقشہ ہمارے ذہن میں نہیں آسکتا، کیوں کہ ہمارا علم وتجربہ ناقص اور کم ہے، اس لئے اللہ نے ہم کو ان کی حقیقت جاننے اور تاویل کا مکلف نہیں بنایا ہے بلکہ ان پر اجمالی ایمان لانے ہی کو کافی قرار دیا ہے اور متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے، جنہیں اس نے مضبوط اور ٹھوس طریقے پر واضح کردیا ہے، یہی رسوخ فی العلم

ہے کہ ہم معلوم پر جم جائیں اور ثابت قدم رہیں اور مظنون کی خاطر اپنے کو ہلاک وبرباد نہ کریں۔

۲- طریقۂ عقل ان مسائل پر مشتمل ہوتا ہے جن میں یقین واشتباہ ملے جلے ہوتے ہیں لیکن طریقۂ وحی بالکل واضح اور روشن ہے، اس میں قیاسات اور ظنیات شامل نہیں ہوتے، اس لئے جو چیزیں عقلِ صریح اور نصِ وحی سے ثابت نہ ہوں ان کے باب میں توقف ضروری ہوتا ہے۔

۳- عقیدہ اعتقادِ قلب کا نام ہے، اس کے لئے محض لفظ کافی نہیں ہوتا بلکہ کسی معنی کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ کم تر درجے کا مجمل معنی ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں مجرد الفاظ ید (ہاتھ) ساق (پنڈلی) وغیرہ عقائد میں داخل نہیں ہیں، بلکہ ان الفاظ کا استعمال ہی بدعت ہے، کیوں کہ وحی میں ان کا مجملاً ذکر ہوا ہے، اس لئے ہم اس پر کوئی اضافہ نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے:-

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (مائدہ-۶۴:۵)

اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ خرچ کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے۔

لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ:

ان لله يدا وقدما وساقا وغيرها

بے شک اللہ کے ہاتھ، پیر اور پنڈلی وغیرہ ہیں۔

ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

عقائد میں کجی ہی اختلاف ونزاع کا سرچشمہ ہے

جو لوگ کسی ایسے معاملے کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں جو ان کے نزدیک بالکل بین وواضح ہوتا ہے، وہ دوسرے اس سے مختلف امر کے درمیان اس کی توفیق کے لئے سعی وجہد کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے عقائد میں تناقض نہ رہے، اس طرح کے لوگوں کی دو قسمیں ہیں:-

۱- ایک فریق نصوصِ شرعیہ کے درمیان توفیق کا جویا ہوتا ہے۔

۲- دوسرا فریق نقل وعقل میں توفیق چاہتا ہے۔

لیکن توفیق وتطبیق کا راستہ بہت دشوار ہے، کبھی کبھی اس میں بڑا التباس ہوجاتا ہے اور آدمی سے غلطیاں سرزد ہوجاتی ہیں اور وہ محکمات کی بھی تاویلِ بعید کرنے لگتا ہے۔

بعض لوگ عقل کو مضبوطی سے پکڑ کر اسی کو اصل بنادیتے ہیں اور بعض احادیث سے اور بعض قرآن مجید سے چمٹے رہتے ہیں لیکن سب سے بہتر اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ نقلِ صحیح اور عقلِ صریح کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور بعید تاویلات سے احتراز کیا جائے اور جو چیزیں غیر معلوم ہوں ان میں توقف کیا جائے، اسی کا حکم اللہ اور نبی اکرم ﷺ نے دیا ہے، محدثین اور سلفِ صالحین بھی اسی طریقہ پر کاربند رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ
(بقرہ۔۲:۳۲)

انہوں نے کہا خداوندا تو پاک ہے، ہمیں تو تونے جو کچھ بتایا ہے اس کے سوا کوئی علم نہیں، بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا
(بنی اسرائیل۔۱۷:۸۵)

اور تمہیں تو بس تھوڑا ہی سا علم عطا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں جو یہ کہا گیا ہے کہ:-

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ
(حجر۔۱۵:۴۷)

اور ہم ان کے سینوں کی کدورتیں نکال دیں گے، وہ آمنے سامنے بھائی کی طرح تختوں پر فروکش ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کے درمیان غل اور کینہ ہوسکتا ہے، لیکن اس کا قومی اختلاف پر منتج ہونا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ قوم کی دیوار کو منہدم کردے گا، اسی طرح یہ آیت ملاحظہ ہو:-

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا
(حجرات۔۴۹:۹)

اور اگر مسلمانوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان مصالحت کراؤ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی اختلاف سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے لیکن جب وہ حد سے بڑھ جائے تو اس کی اصلاح ضروری ہوگی۔

امت کا اختلاف قرآن مجید میں اختلاف کی بڑی قباحت و مذمت بیان کی گئی ہے، اس سے خیال ہوتا ہے، یہ ضلالت اور غضبِ الٰہی کا موجب ہے، ہم کو عقل سے بھی اختلاف کی خرابیاں اور برائیاں معلوم ہوجاتی ہیں، دراصل محبت اور مواسات عمدہ اور اعلا اخلاق میں داخل ہیں بلکہ تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی اصل اور بنیاد یہی دونوں چیزیں ہیں، جن کی ضد اختلاف ہے، تاہم بعض اختلافات میں کوئی حرج اور قباحت ہمیں نظر نہیں آتی بلکہ یہ ناگزیر اور ضروری ہوتے ہیں، جیسے ذوق اور عادات واطوار یا جزئی معاملات میں آرا کے اختلاف سے مفر نہیں، اس لئے ہم کو اس معاملے میں بصیرت پر رہنا ضروری ہے۔

جس اختلاف کا تعلق فاعل کے کسی خاص فعل وادا سے ہو جیسے کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں فرق واختلاف، ان سے عام طبائع کو کوئی نفرت نہیں ہوتی، الا آنکہ یہ قلوب کے اختلاف کا باعث بن جائیں جیسے کسی قوم کی مخصوص پوشاک اور شکل وہیئت، اکثر جزئی اعمال و افعال کے اختلافات بھی اسی قبیل میں آتے ہیں مثلاً شوافع واحناف کے اختلافات، لیکن اگر ان کے یہی فروعی اختلافات ان کے ظواہر پر جمود وتصلب کی وجہ سے نفرت وکدورت کی حد تک پہنچ جائیں جس کے نمونے ان کے جاہل گروہوں میں ہم کو نظر آتے ہیں تو وہ قابلِ مذمت اور لائقِ اجتناب ہیں، قلوب میں بغض وکینہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لوگوں کی محبت اور بغض میں اختلاف ہوتا ہے، جیسے یہود ونصاریٰ، حضرت عثمانؓ وعلیؓ کے حمایتیوں اور خوارج وروافض کے اختلافات، کیوں کہ کسی کے محبوب کا مبغوض اس کے نزدیک بھی مبغوض ہوتا ہے۔

اختلاف ایک ناگزیر شیٔ ہے، لیکن مخالفت ممنوع ہے، ہم سب انسان ہیں، لیکن ہماری صورتیں مختلف ہیں، غلو کرنے والوں نے اختلاف کو بھی مخالفت بنا دیا ہے، جن باتوں پر مواخذہ ہوگا، ان میں ظاہر و بین پر اقتصار و اکتفا ہی ہم کو یک جا اور اکٹھا رکھ سکتا ہے، لیکن جس شخص کو غور و تامل کی توفیق میسر آجائے اس کے لئے تامل سے کام لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عقل و نقل اور عقائد و شرائع کا درجہ اور حیثیت

قرآن مجید نے منکرین و مکذبین سے بحث و مباحثہ کر کے ان کا منہ بند کر دیا اور ان کو دلائل سے لاجواب کر دیا ہے، اس کے بعد ان کے لئے ضد و عناد سے انکار اور خوارق یا عذاب کی محسوس نشانیوں کو طلب کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ خود ان ہی پر رحمت و رافت کی بنا پر اس قسم کی نشانیاں لانے میں جلدی نہیں کرتا تاکہ جن لوگوں میں حق کی طرف ذرہ بھر بھی میلان ہو وہ ایمان لانے سے محروم نہ رہیں بلکہ سچے اور پکے مومن بن جائیں، کیوں کہ جو لوگ خدا کے واضح دلائل اور کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے، وہ عموماً خوارق کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، لیکن بالآخر اتمام حجت کے لئے اللہ انہیں محسوس نشانیاں (۱) بھی دکھاتا ہے اور جب اس کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لاتے تو ان سے اعراض کرنے یا انہیں عذاب دینے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔

قرآن مجید جب اپنے حجج و براہین سے مکذبین کو کھٹکھٹاتا اور ان کے دلوں پر دستک دیتا ہے تو وہ بطریقِ عقل انہیں مخاطب کرتا ہے، اس طریقہ تخاطب سے وہ مومنین کے ایمان میں اضافہ اور ان کے درجات بلند کرتا ہے اور مومن میں جب حکمت و بصیرت اور علم و یقین بڑھتا ہے تو اس کی خشیت و محبت الٰہی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اس طرح اللہ سے اس کی قربت اور تعلق بھی بڑھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) معجزات کی طرف اشارہ ہے جس کے لئے قرآنی اصطلاح آیات ہی ہے۔ ''ض''

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (انعام۔۶:۸۳)

یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر قائم کرنے کے لئے بخشی، ہم جس کو چاہتے ہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ۔۵۸:۱۱)

اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم عطا ہوا ہے، مدارج بلند کرے گا۔

نیز فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر۔۳۵:۲۵)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔

اسی بنا پر ہم نے بھی اس کتاب میں عقل صریح کو اصل بنیاد قرار دیا ہے اور مذہب کے اصولی معاملات میں عقل ہی پر اعتماد کرنا اہل سنت کا مسلک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اصول و مبادی کا خطاب سب سے اور عام ہوتا ہے اور ان پر تمام ہی لوگوں سے ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، رہے فروع تو بلاشبہ وہ مصالح پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن نے بھی بتایا ہے، لیکن ان کے معاملے میں نقل پر اعتماد کیا جائے گا۔ کیوں کہ ان کے مخاطب وہ مومنین ہوتے ہیں جو رسول اور کتاب الٰہی پر ایمان لا چکے اور اطاعت پر بیعت کر چکے ہیں، چنانچہ قرآن مجید جب احکام و شرائع کی دعوت دینے کے لئے لوگوں کو مخاطب کرتا ہے تو تصریحاً یہ کہتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو)

مومنین کی عقل اس پر مطمئن ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صراط مستقیم ہی کی جانب ان کی رہنمائی کریں گے، ان کی عقل کا یہ عام فیصلہ ہر ہر حکم کے لئے دلیل و نشانی کا مطالبہ کرنے سے ان کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

پھر فروع جن مصالح پر مبنی ہوتے ہیں، وہ بڑے دقیق اور پیچ در پیچ ہیں اور ان سے ان ہی لوگوں کو واقفیت ہوتی ہے جن میں اجتہاد کی قوت اور اس کے وسائل و اسباب بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں، اعمال میں تاخیر کی گنجائش نہیں رہتی، انہیں فوراً بجالانا پڑتا ہے، اب اگر ان کے بارے میں بھی عقل پر اعتماد کیا جائے تو آدمی عمل سے دست بردار ہو کر فیصلے کے انتظار میں پڑا رہے گا اور اس میں زبردست مفسدہ ہے۔

اس کے باوجود کہ شرائع کے مصالح کا علم، علم میں زیادتی کا موجب ہوتا ہے مگر تعبدی چیزوں میں اس پر توجہ نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ بندہ محض حکم الٰہی ہونے کی بنا پر ہی ان کی اطاعت کرتا ہے، یہاں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اس علم میں صحت نیت اور آداب عمل میں تصحیح کی احتیاج ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں امور پر دلالت اور ان کو عمل کے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نظر وفکر کی انتہا ۔ (۱) حواس جزئیات کا ادراک کرتے ہیں اور عقل کلیات کو مستنبط کرتی اور کثرت کو وحدت کی جانب موڑ دیتی ہے اور یہی دراصل علم ہے جس سے سارے نظری و عملی علوم ممکن ہوتے ہیں بلکہ اسی سے زندگی، جدوجہد اور آرزوئیں اور تمنائیں ممکن ہوتی ہیں۔

عقل کلیات کا استعمال کرکے ایک کلی سے ترقی کرکے اس سے بالاتر دوسری کلی تک پہنچ جاتی ہے اور بعض کلیات کا تقابل بعض سے کرتی ہے اور کلیات کے کسی گوشے میں اگر رخنہ اور شگاف ہوتا ہے تو اس کی نفی کردیتی ہے اور جب کوئی بہت نمایاں خلل پاتی ہے تو اس کی خاص صورت اور مخصوص سبب کو تلاش کرتی ہے اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتی جب تک کہ کلیہ ہر رخنہ اور خلل سے محفوظ نہیں ہوجاتا، یہی عقل کی شان اور فطرت کا عمل ہے۔

(۲) جزئی حواس و جزئی عقول اور ان کے جزئی اعمال خطاء وعیب سے خالی نہیں ہوتے، اس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل تین میں سے کوئی ایک صورت ضرور پیش آتی ہے۔

(الف) درست اور صحیح علم تک رسائی کا راستہ اس کے وسائل حواس وعقل ہی ہوتے ہیں خواہ یہ فطری ہوں یا کسبی، مگر یہ دونوں غلطی کرتے ہیں اس لئے علم یقین کی امید بے کار ہے، لوگ اوہام وخیالات میں گرفتار رہتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ یہ صورت علم سے مایوسی، خالص حیرت اور شدید تاریکی میں ڈال دیتی ہے۔

(ب) عقل اگر ظن ووہم سے مجرد اور خالی ہو تو وہ غلطی سے مامون رہتی ہے اور بلاشبہ یہی صحیح ہے، لیکن عقل حواس سے علوم حاصل کرتی ہے اور استدلال سے نتیجے نکالتی ہے اور دونوں صورتوں میں بہ کثرت لغزشیں ہوتی ہیں، یہ بات بھی خیال رکھنے کی ہے کہ حواس کے بندھن سے عقل کے خارج رہنے کی کوئی راہ نہیں ہے، اس لئے جو لوگ مجرد عقل پر اعتماد کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ جن چیزوں کا ادراک حواس سے نہیں کیا جاسکتا ہے ان کے بارے میں ایک گروہ یا تو خاموشی اختیار کرتا ہے یا ان کا سرے سے انکار کردیتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ اسے خالص ایمان کے حوالے کردیتا ہے یا اس نفع کے جو اس کی فرضیت سے حاصل ہوتا ہے۔

غرض منکر دنیوی علوم کا محافظ ہوتا ہے اور آخرت کو چھوڑ دیتا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (نجم۔۵۳:۳۰) یعنی یہیں تک بس ان کے علم کی پہنچ ہے اور مومن اس چیز کو پکڑتا ہے جس سے منکرین کے خلاف حجت قائم نہیں ہوتی اور کمزور ایمان یا اندھی تقلید پر راضی رہتا ہے(۱)

حق وباطل کا فیصلہ عقائد کے سلسلے میں حق و باطل کا علم اور خیر وشر کی معرفت ہونی چاہئے، اس کے لئے اثبات ونفی اور مدح وذم سے متعلق کلام کے معانی کا فہم ضروری ہے کیوں کہ ایک ہی معاملہ بعض اوقات کسی ایک پہلو سے باطل ہوتا ہے اور دوسرے پہلو سے وہی چیز حق بھی ہوتی ہے، یہی حال خیر وشر کا بھی ہے کہ ایک اعتبار سے کوئی چیز خیر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے وہی

(۱) اصل کتاب میں ان ہی دو کا ذکر ہے، تیسری شکل مصنف لکھ نہیں سکے تھے۔

شر ہوتی ہے، اس لئے معانی واسالیبِ کلام کا علم انتہائی ضروری ہے، نیز شرائع، اسبابِ امر ونہی اور اصول تاویل کا علم ضروری ہوتا ہے، غرض حق و باطل اور خیر وشر کا فیصلہ کرنے سے پہلے صحیح و صائب معنی کا جاننا ضروری ہے، لیکن صحیح تاویل علم النظم پر موقوف ہے اور علم النظم کا ان سب علوم سے سروکار ہوتا ہے اور یہ سارے علوم کسی ایک عمارت کے ستونوں کی طرح ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو قوت واستحکام بخشتے ہیں۔

لوگوں کا اختلاف وانکار دیکھ کر تم کو اس ضرورت کا احساس زیادہ شدت سے ہوتا ہے، وہ وجوہِ معنی کے فہم میں اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے پر نکیر وملامت کرتے ہیں، اسی لئے متعدد امور میں توقف کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اہل کتاب کے معاملے میں فرمایا ہے:

لا تصدقوهم و لا تکذبوهم (۱) — ان کی تصدیق وتکذیب نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ (یونس-۱۰:۳۹) — بلکہ ان لوگوں نے اس چیز کو جھٹلایا جوان کے علم کے احاطے میں نہیں آئی اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔

اس طرح کے مشتبہ امور میں راسخین فی العلم (علم میں رسوخ، پختگی اور کمال رکھنے والے) ان لوگوں سے جو صرف ظاہر کا علم رکھتے ہیں بہت ممتاز ہوتے ہیں اور ظاہر کا علم رکھنے والے جو کچھ جانتے ہیں اس پر گھمنڈ کرنے کی وجہ سے مزید جاننے اور غور وتامل کرنے سے باز رہتے ہیں، اس لئے انکار میں پڑ جاتے ہیں اور دین کے متعلق ناروا جسارت کرنے لگتے ہیں،

(۱) صحیح بخاری کے کئی ابواب میں یہ حدیث مذکور ہے، کتاب التفسیر (باب قول اللہ تعالیٰ قولوا آمنا بالله وما انزل الينا ج ۲ ص ۶۴۴) اور کتاب الاعتصام (باب قول النبیؐ لا تسئلوا اهل الكتاب عن شئى ج ۲ ص ۱۹۳) کے الفاظ یہ ہیں، لا تصدقوا اهل الكتاب و لا تكذبوهم اور مسند احمد جلد ۴ ص ۱۳۶ میں اس طرح ہے۔

فقال رسول الله ﷺ اذا حدثكم اهل الكتاب فلا تصدقوهم و لا تكذبوهم وقولوا آمنا بالله وكتبه ورسله فان كان حقا لم تكذبوهم وان كان باطلا لم تصدقوهم. — رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل کتاب تم سے کچھ بیان کریں تو ان کی تصدیق وتکذیب نہ کرو اور کہو کہ ہم اللہ پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اگر ان کی بات حق ہو تو اسے نہ جھٹلاؤ اور اگر باطل ہو تو ان کی تصدیق مت کرو۔

شیطان ان کو گمراہ کر دیتا ہے، اس طرح کے لوگوں کے مختلف طبقے ہیں۔

۱۔ بعض لوگ کھلم کھلا کفر کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ بعض لوگ کفر کو چھپاتے ہیں اور کتاب الٰہی کے بعض حصوں کا انکار اور بعض کا اقرار کرتے ہیں ایسے لوگ بھی أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (نساء-۴:۱۵۱) "یہی لوگ پکے کافر ہیں" کے زمرے میں آتے ہیں۔

۳۔ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو رسول کی طرف سے آئی ہوئی اکثر باتوں کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔

۴۔ کچھ لوگ شک وایمان کے درمیان تذبذب میں مبتلا رہتے ہیں۔

راسخین فی العلم کی سمجھ میں جو نص نہیں آتا اس کے بارے میں وہ توقف کرتے اور جانتے ہیں کہ وہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور یہی سب سے مناسب اور بہتر طریقہ ہے، اس لئے یا تو وہ اسی حالت میں پڑے رہتے ہیں، یا پھر اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اس کی حقیقت ان پر منکشف کر دیتا ہے۔

اس وقت ان کو پتہ چلتا ہے کہ جو بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی اور جس کے بارے میں ان کو اشکال ہو گیا تھا وہ معنی کے بعض پہلوؤں سے ان کی جہالت وعدمِ واقفیت کا نتیجہ تھا، لیکن منکرین کو بہت کم ہدایت نصیب ہوتی ہے، ان کا انکار و بُعد روز بروز بڑھتا رہتا ہے۔

یہ جو مذہب توقف کی میں نے ستائش کی ہے، وہ تفصیل وبیان کی متقاضی ہے، مومن کو نہ باطل کو تسلیم کرنا ہے اور نہ عقیدہ کے معاملے میں اسے اشتباہ رہنا چاہئے، اس لئے ہم آگے توقف کے مواقع اور دلائل بیان کریں گے اور حق و باطل کو واضح کریں گے۔

جب تک کسی امر کے تمام پہلوؤں سے تم کو واقفیت نہ ہو جائے اس وقت تک یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ حق و باطل یا خیر وشر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ (یونس۔۱۰:۳۹)

بلکہ لوگوں نے اس چیز کو جھٹلایا جو ان کے علم کے احاطے میں نہیں آئی اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔

اسی لئے لوگوں نے اکثر احادیث کی تکذیب نہیں کی ہے[1] اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد پہلے گزر چکا ہے کہ "اہل کتاب کی تصدیق وتکذیب نہ کرو" اور آپ نے توقف کا حکم دیا اور لایعنی باتوں میں حکم لگانے سے منع کیا ہے۔

توقف کے بارے میں راسخین وزائغین کے طریقے

عقل کو رد وقبول میں جلدی سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ کسی چیز کو جان اور سمجھ لینے کے بعد ہی اسے رد یا قبول کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو بات آدمی کے نزدیک بالکل عیاں اور ظاہر ہو اور اس پر اس کا دل بھی مطمئن ہو گیا ہو تو اس پر ایمان لائے اور اسے تسلیم کرے، اور جب کسی طریقۂ علم سے کوئی بات سامنے آئے اور ابھی وہ اس کے متعلق حد یقین کو نہ پہنچا ہو تو اس کے بارے میں نفی واثبات کا حکم لگانے میں عجلت نہ کرے، بلکہ اس پر غور وتامل کرے، اس کا ٹھیک اندازہ لگائے، اس کے نتائج اور دوسرے امور سے اس کی نسبت وتعلق کو دیکھے اور پرکھے تب جا کر وہ قبول وانکار کے اعتبار سے اسے دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو پر پائے گا، یعنی یا تو وہ مفید اور لائق اعتنا ہو گی یا غیر مفید اور لایعنی۔

لایعنی اور غیر معتد بہ ہونے کی صورت میں اسے چھوڑ تو دے مگر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے باز رہے، کیوں کہ عاقل ودانا شخص کی مشغولیت واجبی اور اہم کاموں ہی میں ہوتی ہے اور اگر مفید اور لائق اعتنا امر ہو اور اس کے یقین کے موافق ہو تو وہ قبول کے پہلو کو ترجیح دے لیکن اگر اس کے یقین کے موافق نہ ہو تب بھی اس کی تردید میں توقف وتامل سے کام لے اور انکار کرنے میں جلدی نہ کرے کیوں کہ حکم خواہ اثبات کا ہو یا نفی کا، اس کے لئے کسی

(۱) غالباً عقل وفہم میں نہ آنے والی یا ماورائے غیب سے تعلق رکھنے والی حدیثیں مراد ہیں۔

مضبوط اور ٹھوس قاعدے پر مبنی ہونا ضروری ہے، قلبِ سلیم اور عقلِ مستقیم جادۂ علم ویقین سے منحرف اور کج نہیں ہوتی، جہالت اور گمراہی کی وجہ سے قبول یا رد کسی بھی پہلو کی طرف کود پھاند لگا کر نہیں پہنچتی، جس چیز کو نہیں جانتی اس کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتی، بلکہ اسے اللہ کے حوالے کر دیتی ہے اور اکثر امور میں اپنی جہالت اور لاعلمی کا اعتراف بھی کر لیتی ہے۔

علم کی طلب وتحصیل کا یہی طریقہ ہے، آدمی کو جس قدر اپنے جہل کا احساس ہوتا ہے اسی قدر اس کا شوق علم زیادہ ہوتا ہے اور اپنے جاننے اور نہ جاننے کے فرق کا اندازہ اسے جس قدر ہوتا ہے، کوئی حکم لگانے اور فیصلہ کرنے میں اتنا ہی وہ عدل کرتا ہے، وہ معلوم پر اعتماد کرتا ہے اور اس سے غیر معلوم کے بارے میں مدد لیتا ہے، اس طرح کا آدمی اپنے علم میں راسخ، پختہ اور کامل ہوتا ہے، اسے کسی قسم کا جہل نہ کج کر سکتا ہے اور نہ کوئی شبہہ اس کے علم ورائے کو بدل سکتا ہے، لیکن جو شخص رائے قائم کرنے میں جلد باز ہوتا ہے وہ علم وجہل کو برابر اور ظن کو یقین کے مساوی بنا دیتا ہے، اس لئے اسے اس کے علم سے فائدہ نہیں ہوتا اور جہل سے زیادہ اس کا علم ہی اسے گمراہ کر دیتا ہے، نفس کے وسوسے اس پر غالب اور حاوی ہو جاتے ہیں، بعض اوقات وہ باطل ہی کو اپنا مذہب بنا لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دین کو مضبوط ومستحکم کر رہا ہے، حالانکہ وہ اسے مسمار کر رہا ہوتا ہے جس کی اسے خبر بھی نہیں ہوتی، غرور کے دروازے، بہت اور شیطان کے فریب اور دھوکے گوناگوں ہیں، اس طرح کے لوگوں کی پہچان عدم تقویٰ، اپنی رائے پر اترانا اور غیر ضروری اور لایعنی باتوں میں غلو کرنا ہے، ان کے مقابلے میں پختہ علم رکھنے والے علماء فروتنی اور تقویٰ اختیار کرنے والے اور اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرنے والے، لغو سے اعراض کرنے والے، جھگڑوں سے کنارہ کش، علم یقین پر وثوق واعتماد رکھنے والے اور اللہ کی مضبوط رسی کو پکڑنے والے ہوتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول نے اسی درست راستے اور صراط مستقیم کی جانب ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

راسخین فی العلم حق سے آگاہ ہونے کے بعد محکمات کو ترک نہیں کرتے اور کلام کے گوناگوں پہلوؤں سے واقف ہونے کی بنا پر ان چیزوں کی تکذیب نہیں کرتے، جن میں کسی حیثیت سے انہیں اشکال پیش آتا ہے، عادات و رسوم سے چھٹے نہیں رہتے کیوں کہ طبیعاتی تصور سے خالی حقائق پر ان کی نظر ہوتی ہے۔

سلف صالحین کے بارے میں اعتقاد حق و باطل کو مطلقا جان لینا ہی ہمارے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہی ہم کو اہلِ حق و اہل باطل سے بھی واقف ہونا ضروری ہے، اس لئے ان کی معرفت کو حق و باطل کی معرفت ہی میں شامل رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو کامل اور وافی دعا سکھائی ہے اس میں ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (فاتحہ۔۱:۶) اے اللہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش!

یہ مطلقا حق کا ذکر ہے مگر اس کے ساتھ ہی اللہ نے اپنی یہ بات بھی شامل کی اور کہا:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (فاتحہ۔۱:۷) ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے اپنا فضل فرمایا۔

اور یہ انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں جیسا کہ سورۂ نساء میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے، پس یہاں اہلِ حق کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں، پھر حق کی اسی تعریف کے ساتھ اہل باطل کا بھی تذکرہ شامل کر دیا، مشہور مقولہ ہے کہ **وبضدھا تتبین الاشیاء** (چیزیں اپنے ضد و مخالف کے ذکر سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہیں) چنانچہ فرمایا:-

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (فاتحہ۔۱:۷) جو نہ مغضوب ہوئے اور نہ گمراہ۔

قرآن مجید اور حدیث نبوی نے ان لوگوں کی تفسیر و وضاحت کر دی ہے جن کے راستے سے ہم اپنے کو دور کر دینے کی اللہ سے درخواست کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (نساء۔۴:۱۱۵)

اور جو کوئی راہ ہدایت واضح ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اس کو اسی راہ پر ڈالیں گے جس پر وہ پڑا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

اس کے اندر کئی فائدے ہیں:-

ا۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ ہمارے لئے ان دونوں گروہوں کے راستے واضح ہو گئے اور ان کی تفصیلات ظاہر ہو گئیں۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ متقین اور ان لوگوں کی جماعت میں جن پر انعام ہوا شامل ہونا تقوی کے راستے پر چلنے اور اسے اختیار کرنے میں مددگار و معاون ہوتا ہے اور اس سے سالک کے نفس کو اعمال صالحہ پر قدرت و قوت حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ صلحا میں سے جن کے اور اپنے درمیان بندہ مناسبت دیکھتا ہے، ان کو اپنے لئے نمونہ و مثال بناتا ہے، اس سے اسے اپنے اخلاقِ حسنہ کی تربیت میں آسانی ہوتی ہے اور وہ اسی صالح کے نقش قدم کی پیروی کرتا اور اسے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا ہے۔

اسی اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے انبیاء کے اندر مثال بنائی ہے اور ہم کو ان کی اتباع کا حکم دیا ہے، انبیا جو امت چھوڑ جاتے ہیں وہ ان کے بعد آنے والوں کے لئے مثال ہوتی ہے، جس طرح اللہ نے انبیاء کو ان کے اصحاب و رفقاء پر شہدا بنایا ہے، اسی طرح یہ بھی لوگوں پر شہدا ہوتے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے لوگوں کے لئے ایک متصل اور پیوستہ سلسلہ، حبلِ متین، صراط مستقیم اور واضح طریقہ قائم کر دیا ہے، گویا خلف بھی سلف سے ملے ہوئے ایک ایسا قافلہ ہیں جن میں کہیں کوئی انقطاع نہیں ہے اور اس پھیلی ہوئی روشنی کے درمیان کسی

ظلمت کا نام بھی نہیں ہے۔ یہی شہادت کا مطلب ہے۔

شہادت نبی نے اللہ، اس کی کتاب اور کتاب کے اندر کی باتوں کی گواہی دی ہے اور نبی کے ساتھیوں نے اپنے بعد آنے والوں (تابعین) کے لئے گواہی دی ہے، شہادت کا یہ سلسلہ ابھی تک چلا جا رہا ہے۔

یہ شہادت ان (۱) پر ایک بڑی امانت ہے اور جیسا کہ مصرحاً بیان ہوا ہے، اسی کا ان سے عہد و میثاق لیا گیا تھا اور سب سے بڑی شہادت اللہ کی کتاب اور اس کی تعلیم و ہدایت ہے اور سب سے بڑا فریضہ اس شہادت اور شہدا پر ایمان لانا ہے، شہدا کا منکر شہادت کا بھی انکار کرتا ہے، اسی لئے شیعہ کا کتاب پر ایمان نہیں ہوتا اور وہ شہدا کے انکار کی وجہ سے اس گمراہی میں مبتلا ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پطرس (۲) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے مانند تھے جن کی سارے صحابہ پر افضلیت فتنہ ارتداد کے موقع پر ان کی عزیمت سے ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس وقت بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھے، جب آپ خیمے کے اندر دعا فرما رہے تھے، (۳) لیکن حضرت مسیحؑ کے حواری ان کے ساتھ دعا میں شریک ہونے سے معذور رہے اور سوتے کے سوتے رہ گئے، ایسا تین بار ہوا، یہاں تک کہ حضرت مایوس ہو گئے۔

اہل باطل نے الٰہیات کو علم سے خارج کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تک علم کی رسائی ممکن نہیں، البتہ دوسری قسم تک اس کی رسائی ممکن ہے، میری عرض یہ ہے کہ راسخین فی العلم (پختہ علم والے) جانتے ہیں کہ عقل کے جاننے کی دو راہیں ہیں، ایجابی اور سلبی، چنانچہ بعض امور کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس کس طرح پر ہوتے ہیں مگر یہ

(۱) یعنی امت پر۔ (۲) رسولوں کا سردار (۳) غزوہ بدر کی طرف اشارہ ہے جب مسلمانوں اور کفار کی فوجیں آمنے سامنے اور مقابل تھیں اور آنحضرت ﷺ پر سخت خضوع کی کیفیت طاری تھی، دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا فرماتے تھے "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر .... خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "حضور! خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا" سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (قمر۔۵۴:۴۵) یعنی فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس کس طرح پر نہیں ہوتے، تو یہ معلوم سلبی ہے، جیسے تم کہتے ہو کہ زمان و مکان غیر متناہی ہیں اور تم غیر متناہی کو نہیں جانتے البتہ متناہی کو جانتے ہو تو یہ بھی سلبی علم ہوا۔

چوں کہ سلبی کا تعلق استقرائیات سے نہیں ہوتا کہ وہ کسی تجربی علم پر مبنی ہو، بلکہ یہ ان بدیہیات میں سے ہے جن میں دو کناروں کا تصور کرنا ہوتا ہے، اس لئے ان دونوں میں نسبت و تعلق کے اذعان و تسلیم کے لئے سلب کافی ہے، جیسا کہ تم ریاضیات میں اسے دیکھتے ہو۔

اس زمانے میں اہل باطل ریاضیات تک میں بداہت کے ابطال کے درپے ہیں، اس کے ماہرین وائمہ نے اس سلسلے میں متعدد واہی اور کمزور باتیں کہی ہیں۔

خلق وفنا کے محال ہونے میں لوگوں نے بداہت کا دعوی کیا ہے، ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ علوم کی مشاق اور ان میں مہارت رکھنے والی عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں محال ہیں، جواہر کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یہ کہاں سے آگئے اور کہاں جائیں گے؟" میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ اعراض کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ حوادث کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ہمارا ان کو جان لینا ان کے وجود کی دلالت ہے کیوں کہ کوئی چیز عدم سے وجود میں نہیں آتی بلکہ غائب سے حاضر میں آتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے، ہمارا یہ بھی کہنا ہے کہ تمہارے جواہر اعراض ہوتے ہیں لیکن تم کو اس کا علم نہیں ہوتا، اسی طرح تمہارے اعراض بھی جواہر ہوتے ہیں جن کا شعور تم کو نہیں ہے۔

اسپنسر کا گمان ہے کہ ہر وہ قضیہ جس کا تصور ممکن نہ ہو اس کا نقیض صحیح ہوتا ہے اور دو نقیض جمع نہیں ہوتے، یہ ممکن نہیں کہ مادہ کی طرح ذہن کا تصور ہو یا ذہن کی طرح مادہ کا تصور ہو، پس ان دونوں کا نقیض ہونا لابد ہے، اسی اصول کی بنا پر وہ یہ گمان کرتے اور سمجھتے ہیں کہ موجود معدوم نہیں ہوتا اور معدوم موجود نہیں ہوتا، اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ کبھی تصور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر مشکل اور دشوار ہوتا ہے، ثبوت کی دلیل کسی چیز کا تصور ہے نہ کہ اس کے نقیض کا عدم تصور اور ہم غیر متصور کو دلیل خُلف (۱) سے ثابت کرتے ہیں۔

(۱) یہ منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس میں ایک نقیض کے امتناع سے دوسرے نقیض کے تحقق پر استدلال کرتے ہیں۔

علامہ اقبال اور احمدیت

از: جناب وارث ریاضی صاحب☆

علامہ اقبال ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے، انہوں نے فلسفے کی اعلیٰ تعلیم یورپ میں حاصل کی تھی لیکن دانش افرنگ کی فسوں کاریاں ان کے ایمان ویقین میں تشکیک وتذبذب پیدا نہیں کرسکیں بلکہ یورپ کی لادینی تہذیب وثقافت نے اقبالؒ کے اسلامی عقاید کے لئے مزید سامان استحکام فراہم کردیا، مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم رقم طراز ہیں:

''اور لوگ یورپ جاکر اسلام اور اسلامی عقاید سے برگشتہ ہوجاتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب یورپ جاکر ٹھیٹھ مسلمان ہوگئے۔''(۱)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کس قدر سچ لکھا ہے کہ:

''مغربی تعلیم وتہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ (ڈاکٹر اقبالؒ) جتنا مسلمان تھا اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا، اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کی تہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہوچکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی نہیں رہا، وہ جو کچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا اور جو کچھ دیکھتا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا''۔(۲)

نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت ورسالت پر اقبالؒ کو کس قدر اذعان ویقین تھا، اس کا

☆ کاشانۂ ادب سکلا(ا) یوراج (پوسٹ بسوریا- وایا وربار، مغربی چمپارن-

حال مولانا عبدالسلام ندوی سے سنئے۔

''ڈاکٹر صاحب کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اعتقاد ہی نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ انتہا درجہ کا عشق تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضور ﷺ کا نام مبارک یا ذکر مبارک کسی کی زبان پر آجاتا تو ان کی آنکھیں بے اختیار اشک آلود ہوجاتیں، ان کی زندگی کے آخری ایام کا ذکر ہے کہ ''یوم اقبال'' کے موقع پر مولانا اسلم صاحب جیراج پوری نیاز حاصل کرنے کے لئے گئے اور دیر تک سلسلۂ گفتگو جاری رہا، اس سال وہ حج کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن بیماری اور کمزوری کی حالت یہ تھی کہ کوٹھے سے باہر نکلنا بھی مشکل تھا، کہتے تھے کہ میں دو سال سے ارادتاً سفر حج میں ہوں، بلکہ وہ اشعار بھی لکھ لئے ہیں جو سفر حج سے متعلق ہیں، ان میں سے کہیں کہیں سے کچھ سنایا بھی، مکہ سے مدینہ کی طرف روانگی کے وقت ایک غزل لکھی ہے، جس میں اللہ کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز — کہ من دارم ہوائے منزل دوست

یہ شعر سناتے ہی گریہ ایسا گلوگیر ہوگیا کہ آواز بند ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے''(۳)۔

مولانا عبدالمجید سالک مرحوم لکھتے ہیں:

''ان (علامہ اقبالؒ) کے گداز قلب اور رقت احساس کا یہ عالم تھا کہ جہاں ذرا حضور سرور کون ومکاں ﷺ کی رافت ورحمت یا حضور کی سروری کائنات کا ذکر آتا تو حضرت علامہؒ کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہوجاتیں اور دیر تک طبیعت نہ سنبھلتی''(۴)۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، اقبال کی شخصیت کے تشکیلی عناصر کے زیر عنوان رقم طراز ہیں:

''۔۔۔۔اقبال، اسلام اور اس کے پیغام کے بارے میں نہایت راسخ الایمان

تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی محبت، شغف اور ان کا اخلاص انتہا درجہ کا تھا، اس لئے ان کے نزدیک اسلام ہی ایک ایسا زندہ و جاوید دین ہے کہ اس کے بغیر، انسانیت فلاح و سعادت کے بامِ عروج تک پہنچ ہی نہیں سکتی، نبی ﷺ رشد و ہدایت کے آخری مینار، نبوت و رسالت کے خاتم اور مولائے کل ہیں''۔(۵)

علامہ اقبالؒ کو اس بات پر کامل اذعان و یقین تھا کہ محمد عربی ﷺ کی ذات اقدس پر رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ نہ صرف کاذب و مفتری ہے بلکہ وہ واجب القتل ہے، علامہ اقبالؒ، سید نذیر نیازی کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت موجود ہیں، یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو ایسا شخص کاذب اور واجب القتل ہے، مسیلمہ کذاب کو اسی بنیاد پر قتل کیا گیا''(۶)۔

یہ کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ اقبالؒ جیسا راسخ العقیدہ مسلمان جو عمر بھر سازِ دل پر عشق رسول ﷺ کا یہ نغمہ:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا(۷)

چھیڑتا رہا، فرقہ احمدیت (قادیانیت) کے بعض دانشور، نبی آخر الزماں نبی ﷺ کے اس عاشق صادق کو احمدی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں نصر ملک صاحب (ڈنمارک) لکھتے ہیں:

''اقبال۔ اگر احمدیت سے کوئی انس و ربط و تعلق نہیں تھا اور اقبال واقعی احمدیت سے بیزار تھے تو انہوں نے اپنے نور چشم جاوید اور اپنی دختر منیرہ کی پرورش کے لئے اپنی خاندان کے بھی عبادت گذاروں پر اپنے ایک احمدی رشتے دار کو فضیلت کیوں دی

اور سر راس مسعود کے نام اپنے ایک خاص خط میں اپنے اس رشتے دار کو باعمل، پابند قرآن مسلمان کیوں قرار دیا، حالاں کہ یہ وہی دور تھا جب احمدیت پر سنگ زنی کی جارہی تھی(۸)''۔

نصر ملک صاحب مزید لکھتے ہیں:

''پاکستان میں دو کتابیں سلسلۂ احمدیت سے تعلق رکھنے والے ایک مورخ کی لکھی ہوئی شائع ہوئی ہیں اور دستاویزی شہادتوں کے ساتھ اقبال کے احمدی ہونے، اپنے ایک احمدی رشتے دار ہی کو جاوید اور منیرہ کی پرورش کے لئے تمام تر مخالفت کے باوجود ڈٹے رہنے اور پھر احمدیت سے درپردہ قطع تعلق کے لئے سلسلۂ احمدیت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی بروزی نبوت پر اعتراض اٹھانے کی وجوہات کا بھرپور تفصیلی اور میری نظر میں غیر جانب دارانہ جائزہ لیا گیا ہے، افسوس ہے اس بات پر کہ اقبال کو احمدیت سے خارج رکھنے والے ان متذکرہ کتابوں کے حوالہ جات کو مسترد کرنے کے لئے ایک بھی دلیل نہیں پیش کر سکے''(۹)۔

پاکستان میں شائع شدہ متذکرہ بالا کتابیں تو جن میں بہ قول نصر ملک صاحب تاریخی شہادتوں کے ساتھ ڈاکٹر اقبال کو احمدی ثابت کیا گیا ہے، ناچیز کی نگاہ سے نہیں گزریں، لیکن آیئے دیکھیں کہ اقبال کے احمدی ہونے کے سلسلے میں ان کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قادیانیت سے متاثر تھے، لیکن جب بانی جماعت مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتابوں میں اپنی نبوت کی تشہیر کرنا شروع کر دیا تو اقبال نے قادیانیت سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتابوں میں اپنی نبوت کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا ہے، یہاں صرف چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں:

۱۔''میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی

نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے'' (۱۰)

۲۔ ''میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں''۔ (۱۱)

۳۔ ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا'' (۱۲)۔

۴۔ ''پس جیسا کہ میں نے بار بار بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سناتا ہوں، یہ قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے، اور میں خدا کا ظلی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے، گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے کیوں کہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا، رد کر دیا، میں صرف یہ نہیں کہتا کہ میں اگر جھوٹا ہوتا تو ہلاک کر دیا جاتا، بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد اور آنحضرت ﷺ کی طرح میں سچا ہوں اور میری تصدیق کے لئے خدا نے دس ہزار سے بھی زیادہ نشان دکھلائے ہیں قرآن نے میری گواہی دی ہے رسول اللہ ﷺ نے میری گواہی دی ہے کہ جو یہی زمانہ ہے پہلے نبیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعین کر دیا ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور میرے لئے آسمان نے بھی گواہی دی ہے زمین نے بھی، اور کوئی نبی نہیں جو میرے لئے گواہی نہیں دے چکا ہے۔'' (۱۳)

۵۔ ''مجھے الہام ہوا ہے کہ جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہوگا۔'' (۱۴)

۶۔ ''خدائے تعالیٰ نے میرے (او) پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت پہونچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔'' (۱۵)

مرزا غلام احمد قادیانی نے مذکورہ بالا تحریروں میں کھلم کھلا اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے ڈاکٹر

اقبالؒ کی نگاہ سے جب یہ تحریریں گزریں تو انہوں نے احمدیت سے نہ صرف اپنی بیزاری بلکہ بغاوت کا اعلان کر دیا۔

عبدالرحمٰن کوندو نے شورش کاشمیری مرحوم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۱۹۱۱ء کے لگ بھگ احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال نے یہ تاثر ظاہر کیا تھا:

''پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔'' (۱۶)

لیکن فتنۂ قادیانیت سے پوری طرح باخبر ہونے کے بعد جب علامہ اقبال نے اس تحریک سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا تو ایک قادیانی اخبار سن رائز (Sunrise) نے علامہ پر تناقض کا الزام عائد کیا (۱۷) تناقض کے الزام پر علامہ اقبالؒ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس نہ تو وہ تقریر اصل انگریزی میں محفوظ ہے اور نہ اس کا اردو ترجمہ جو مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا، جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تقریر میں نے ۱۹۱۱ء میں پارس سے قبل کی تھی، مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی بات نہیں کہ ربع صدی قبل مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی، اس تقریر سے بہت پہلے مولوی چراغ علی مرحوم نے بھی جو مسلمانوں میں کافی سر برآوردہ تھے اور جنہوں نے انگریزی میں اسلام پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، بانی تحریک سے تعاون کیا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے انہوں نے کتاب ''براہین احمدیہ'' کی تدوین و ترتیب میں بیش قیمت مدد بہم پہنچائی، لیکن کسی تحریک کے اصل مضمرات اور اس کی حقیقی روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی، اس کے لئے برسوں چاہئیں، تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک سے ذاتی روابط رکھتے تھے، معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کیا رنگ اختیار کرتی ہے، میں ذاتی طور پر اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا جب ایک نئی نبوت سے متعلق بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت

کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ اس کے بعد میرے شکوک و شبہات
، بیزاری سے بغاوت کی حد تک پہنچ گئے، جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے
کانوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا، درخت جڑ سے نہیں پھل
سے پہچانا جاتا ہے، اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ
سوچنے والے انسان ہی کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے کو بدل سکے، بہ قول ایمرسن ''صرف
پتھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے''۔(۱۸)

علامہ اقبالؒ کا احمدیت سے بیزاری کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ
انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام اپنے ۲۱ر جون ۱۹۳۶ء کے مکتوب میں احمدیوں کو اسلام
اور ہندوستان، دونوں کا غدار قرار دیا۔ اقبال رقم طراز ہیں:

"I have no doubt in my mind that the Ahmadis are traitors both to Islam and to India " (19)

(میرے ذہن میں اس کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ احمدی (مرزائی)
اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں)''(۲۰)

نصر ملک صاحب کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ جاوید اور منیرہ کی تربیت و نگہداشت کے معاملے
میں تمام تر مخالفت کے باوجود ڈاکٹر اقبالؒ نے اپنے خاندان کے بھی عبادت گزاروں پر ایک
احمدی رشتے دار (یعنی اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد) کو ترجیح دی اور انہیں سرراس مسعود کے نام اپنے
ایک مکتوب میں ایک باعمل، پابند قرآن مسلمان قرار دیا، اس کی ''حقیقت'' سطور ذیل سے خود
ظاہر ہوجائے گی۔

اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے ارباب فکر ونظر اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ
اقبالؒ نے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو اپنے بچوں کا قانونی سرپرست مقرر کیا تھا، سرپرستوں میں شیخ
اعجاز احمد کے علاوہ منشی طاہر الدین (اقبال کے کلرک) چودھری محمد حسین اور اقبال کے ایک اور

خاص رشتے دار (جاوید کے ماموں) خواجہ عبدالغنی بھی شامل تھے، خواجہ صاحب کا انتقال ہوگیا تو
ان کی جگہ میاں امیر الدین کو اقبال نے سرپرست نامزد کیا، اقبال کے مستند سوانح نگار مولانا
عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں:

''---------- علامہ منشی طاہر الدین، چودھری محمد حسین، میاں
امیر الدین اور اپنے بھتیجے شیخ اعجاز (احمد) کو اپنے بچوں کا سرپرست قانونی مقرر کیا، اس
سے پیشتر ۱۹۳۵ء کی وصیت کے مطابق میاں امیر الدین کی جگہ جاوید کے ماموں خواجہ
عبدالغنی مقرر کیے گئے تھے، لیکن ان کا انتقال ہوگیا تو میاں امیر الدین (بارود خانہ)
مقرر کیے گئے''(۲۱)۔

مولانا عبدالمجید سالک نے جاوید اور منیرہ کے Guardians میں جن چار حضرات
کا ذکر کیا ہے، علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے مکتوب (جس کا اقتباس چند سطور کے بعد پیش کیا جارہا
ہے) بنام سرراس مسعود میں ان کا ذکر کیا ہے، اس مکتوب میں اقبالؒ نے صرف شیخ اعجاز احمد کے
احمدی ہونے پر تاسف کا اظہار کیا جو بذات خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے
علاوہ بقیہ تین حضرات عقیدۃً مسلمان تھے، اس لئے گارجین شپ کے معاملے میں ایک احمدی
رشتے دار کو فضیلت دینے کی بات (وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ اقبالؒ کو اپنے خاندان کے حقیقی
عزیزوں پر بھروسہ بھی نہیں تھا) سراسر بے بنیاد ہے۔ اقبالؒ اپنے مخلص ترین دوست سرراس
مسعود مرحوم کے نام اپنے ۳ر جون ۱۹۳۷ء کے مکتوب میں جاوید کے ماموں خواجہ عبدالغنی کی
وفات پر اظہار غم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تم کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ جاوید کا ماموں خواجہ عبدالغنی جس سے تم دہلی میں
ملے تھے، چند روز ہوئے بقضائے الٰہی فوت ہوگیا۔---------- نہایت نیک
اور مخلص انسان تھا، میرے دونوں بچوں سے بہت محبت رکھتا تھا اور مجھے اس پر بہت
بھروسہ تھا اس کی ناگہانی موت نے مجھ کو بے حد پریشان کردیا ہے، ماں کی طرف سے

ان دو بچوں کا یہی بازو تھا، باپ کی طرف سے جو رشتہ داران کے ہیں، ان سے کسی قسم کی کوئی توقع نہیں ہے اگرچہ میں نے تمام عمر اپنے مقدور سے زیادہ ان کی خدمت کی ہے، اس ساری پریشانی میں ایک خیال مجھے تسکین دیتا رہا اور وہ یہ کہ جو میری زندگی میں ان بچوں کا محافظ (اور) پرورش کرنے والا ہے وہی میرے بعد بھی ان کی حفاظت اور پرورش کرے گا، اس کے علاوہ میں اپنے حقیقی عزیزوں سے زیادہ تم پر بھروسہ رکھتا ہوں"(۲۲)

یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو اپنے بچوں کے سرپرستوں میں شامل تو کرلیا لیکن بعد میں خیال آیا کہ شیخ اعجاز احمد کا تعلق تو "احمدی جماعت" سے ہے اور ایک احمدی کو مسلمان بچوں کا سرپرست مقرر کرنا، شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، چنانچہ علامہ اقبالؒ نے اپنے دوست سر راس مسعود مرحوم کو لکھا:

"میں نے جاوید اور منیرہ کے چار Guardians مقرر کئے تھے، یہ Guardians از روئے وصیت مقرر کئے گئے تھے، جو سب رجسٹرار لاہور کے دفتر میں محفوظ ہے، نام ان کے حسب ذیل ہیں:

۱۔ شیخ طاہرالدین، یہ میرے کلارک ہیں، جو قریباً بیس سال سے میرے ساتھ ہیں مجھ کو ان کے اخلاص پر کامل اعتماد ہے، ۲۔ چودھری محمد حسین ایم، اے، سپرینٹنڈنٹ پریس برانچ سول سکریٹریٹ لاہور، یہ بھی میرے قدیم دوست ہیں اور نہایت مخلص مسلمان، ۳۔ شیخ اعجاز احمد بی، اے، ایل، ایل، بی سب جج دہلی، ۴۔ عبدالغنی مرحوم۔ عبدالغنی بیچارے کی بابت میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں، اس کی جگہ خان صاحب میاں امیرالدین سب رجسٹرار لاہور کو مقرر کرنے کا ارادہ ہے، نمبر (۳) شیخ اعجاز احمد میرا بڑا بھتیجہ ہے، نہایت صالح آدمی ہے لیکن افسوس کہ دینی عقائد کی رو سے قادیانی ہے، تم کو معلوم ہے کہ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق تمام

مسلمان کافر ہیں، اسی واسطے یہ امر شرعاً مشتبہ ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا Guardian ہوسکتا ہے یا نہیں، اس کے علاوہ وہ بہت عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو Guardian مقرر کردوں، مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، یہ درست ہے کہ تم لاہور سے بہت دور ہو، لیکن اگر کوئی معاملہ ایسا ہوا تو لاہور میں رہنے والے Guardian تمہارے ساتھ خط و کتابت کرسکتے ہیں"۔(۲۳)

اقبالؒ نے درج بالا مکتوب ۱۰ر جون ۱۹۳۷ء کو لکھا تھا، سر راس مسعود اواخر جولائی ۱۹۳۷ء میں دفعتاً اللہ کو پیارے ہوگئے، اس طرح اقبال کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔

علامہ اقبالؒ نے سر راس مسعود کے نام اپنے مکتوب درج بالا میں اپنے احمدی رشتے دار شیخ اعجاز احمد کو "باعمل پابند قرآن مسلمان" نہیں لکھا ہے، جیسا نصر ملک صاحب کا دعویٰ ہے بلکہ صالح لکھا ہے، صالح کے معنی نیک اور پارسا کے آتے ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو آدمی صالح ہو وہ باعمل پابند قرآن مسلمان بھی ہو، اس لئے نصر ملک صاحب کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اقبال نے اپنے ایک خاص خط میں اپنے احمدی رشتے دار کو باعمل پابند قرآن مسلمان لکھا ہے بلکہ اقبالؒ کا اپنے مکتوب میں شیخ اعجاز احمد کے احمدی ہونے پر تاسف کا اظہار کرنا اور ایسے عقیدہ رکھنے والے آدمی کو اپنے مسلمان بچوں کا سرپرست مقرر کردیے جانے کو شرعاً مشتبہ سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال کے نزدیک شیخ اعجاز احمد کا مسلمان ہونا محل نظر تھا۔ شیخ اعجاز احمد کو صرف سرپرست قانونی کی حیثیت حاصل رہی لیکن جاوید اور منیرہ کی تربیت و نگہداشت کے لئے ڈاکٹر اقبال نے ایک جرمنی خاتون مسز ڈورس احمد کو گورنس مقرر کیا تھا، اقبال ۸ر جون ۱۹۳۷ء کے مکتوب بنام سر راس مسعود میں رقم طراز ہیں:

"جاوید اور منیرہ کی نگہداشت کے لئے اور گھر کے عام انتظام کے لئے جو ایک مدت سے بگڑا ہوا ہے، میں نے فی الحال آزمائشی طور پر علی گڈھ سے ایک جرمن لیڈی

کو جو اسلامی معاشرہ سے واقف ہے اور اردو بول سکتی ہے بلوایا ہے، پروفیسر رشید (احمد) صدیقی اور دیگر احباب نے اس کی شرافت کی بہت تعریف کی ہے، اگر وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کامیاب ہوگئی تو مجھے بے فکری ہو جائے گی، جاوید کی عمر اس وقت قریباً تیرہ سال ہے اور منیرہ کی قریباً سات سال، ماں کی موت سے ان کی تربیت میں بہت نقص رہ گئے ہیں، اسی واسطے میں نے مذکورہ بالا انتظام کیا ہے، علیگڈھ کے ایک پروفیسر کی بیوی کی بہن ہے جو ایک مدت سے علی گڈھ میں مقیم ہے، شاید تم انہیں جانتے ہوگے"۔ (۲۴)

مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

"(۱۹۳۶) میں علی گڈھ کے ایک پروفیسر کی جرمن اہلیہ کی بہن جو جرمنی خاتون ہونے کے باوجود اسلامی معاشرت سے واقف تھی اور اردو بول لیتی تھی، جاوید اور منیرہ کی گورنس مقرر کی گئی ------ یہ خاتون علامہ کی انتظام خانہ اور تربیت اطفال میں بے حد خوش سلیقہ اور منتظم ثابت ہوئی۔" (۲۵)

پروفیسر رشید احمد صدیقی تحریر فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب نے اپنے بڑے لڑکے جاوید اور بانو کی نگہداشت کے لئے ایک جرمن خاتون کی خدمات حاصل کر لی تھیں ---- ڈاکٹر صاحب کو ان پر اتنا اطمینان و بھروسہ ہوا کہ رحلت کے وقت مرحوم نے ان دونوں بچوں اور سارے گھر بار کو خاص طور پر ان کے سپرد کر دیا، ڈاکٹر صاحب کی وفات پر بہت لوگوں نے ان جرمن خاتون کا بڑے اچھے الفاظ میں اپنے مضامین اور بیانات میں تذکرہ کیا"۔ (۲۶)

کلیات مکاتیب اقبال کے مرتب سید مظفر حسین برنی سابق گورنر ہریانہ، ڈاکٹر جاوید اقبال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"۱۹۳۶ء میں پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم کی وساطت سے مسز ڈورس احمد

لاہور آئیں اور علامہ اقبال کے بچوں کی نگہداشت کرنے لگیں ------ علامہ اقبال کی خواہش تھی کہ ان کی وفات کے بعد بھی یہ بچوں کی خبر گیری کرتی رہیں، چنانچہ ۱۹۶۲ء تک وہ جاوید منزل میں مقیم رہیں"۔ (۲۷)

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ علامہ اقبال کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں "تحریک احمدیت" سے اچھے نتائج کی امیدیں وابستہ تھیں اور کچھ احمدیوں سے ان کا ربط و تعلق بھی تھا، لیکن کسی تحریک سے اچھے نتائج کی توقعات یا اس تحریک کے افراد سے ربط و تعلق اس تحریک میں شمولیت کی دلیل نہیں، اللہ شاہد ہے کہ علامہ اقبالؒ اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے میں احمدیت میں داخل نہیں رہے کہ احمدیت سے خارج ہونے کا سوال پیدا ہو، لہذا احمدیت سے اچھے نتائج کی امید یا احمدیوں سے کچھ ربط و تعلق کی بنیاد پر علامہ اقبالؒ کو احمدی تصور کرنا، علامہ اقبالؒ پر عظیم اتہام ہے۔

علامہ اقبالؒ کی مستند سوانح حیات، مولانا عبدالمجید سالک مرحوم کی "ذکر اقبال" ہے، ذکر اقبال میں مولانا سالک نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ محمد عطا، احمدی عقائد (۲۸) رکھتے تھے، لیکن "ذکر اقبال" میں کہیں اشارہ بھی علامہ اقبال کے احمدی ہونے کا نہیں ہے، بلکہ اس کے علی الرغم احمدیت کی حمایت میں آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کے مضمون پر علامہ اقبالؒ نے اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے احمدیت کی مخالفت میں "Islam and Ahmadism" کے عنوان سے جو گراں قدر مقالہ لکھا، اس کے بارے میں مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

"خدا جانے پنڈت جواہر لال نہرو کو کیا سوجھی، انہوں نے ماڈرن ریویو (کلکتہ) میں تین مضامین مسلمان اور احمدیت کے موضوع پر گھسیٹ ڈالے اور علامہ اقبال نے اس کے جواب میں ایک جامع و مانع مضمون لکھا جس میں اس مسئلے کا فلسفیانہ تجزیہ کر کے نہایت فاضلانہ انداز میں پنڈت نہرو کے ایک ایک فقرے کا جواب دیا۔۔۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تحریروں میں علامہ نے بعض ایسے نکات پیش کئے جن کا جواب آج تک نہیں ہوسکا''۔(۲۹)

Islam and Ahmadism (جس کا اردو ترجمہ ختم نبوت کے نام سے شایع ہو چکا ہے) میں تحریک احمدیت کے بارے میں علامہ اقبال کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو:

''محمد ﷺ کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں ہے جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو، جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے، قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریک احمدیت کا بانی ایسے الہام کا حامل تھا لہٰذا وہ تمام عالم اسلامی کو کافر قرار دے دیتے ہیں، خود بانیٔ احمدیت کا استدلال جو قرون وسطیٰ کے متکلمین کے لئے زیبا ہوسکتا ہے، یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا نبی نہ پیدا کر سکے تو پیغمبر اسلام کی روحانیت ناکمل رہ جائے گی، وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی روحانیت میں پیغمبر خیز قوت تھی، خود اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے، لیکن آپ اس سے پھر دریافت کریں کہ آیا محمد ﷺ کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کا جواب ''نفی'' میں ہے، یہ خیال اس بات کے برابر ہے کہ ''محمد ﷺ آخری نبی نہیں، میں آخری نبی ہوں''، اس امر کے سمجھنے کے بجائے کہ ختم نبوت کا اسلامی تصور نوع انسانی کی تاریخ میں بالعموم اور ایشیا کی تاریخ میں بالخصوص کیا تہذیبی قدر و قیمت رکھتا ہے، بانی احمدیت کا خیال ہے کہ ختم نبوت کا تصور ان معنوں میں کہ محمد ﷺ کا کوئی پیرو نبوت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، خود محمد ﷺ کی نبوت کو ناکمل ثابت کرتا ہے، جب میں بانیٔ احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ اس کے دعویٰ نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیغمبر اسلام کی روحانیت کی تخلیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کی پیدائش تک محدود کرکے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کردیتا ہے، اس طرح یہ ''نیا پیغمبر'' چپکے سے اپنے

روحانی مورث کی ختم نبوت پر متصرف ہوجاتا ہے۔

اس کا دعویٰ کہ میں پیغمبر اسلام کا بروز ہوں، اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا بروز ہونے کی حیثیت سے اس کا خاتم النبیین ہونا درحقیقت محمد ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ہے، پس یہ نقطۂ نظر پیغمبر اسلام کی ختم نبوت کو مسترد نہیں کرتا، اپنی ختم نبوت کو پیغمبر اسلام کی ختم نبوت کے مماثل قرار دے کر بانی احمدیت نے ختم نبوت کے تصور کے زمانی مفہوم کو نظر انداز کردیا ہے، بہر حال یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بروز کا لفظ مکمل مشابہت کے مفہوم میں بھی اس کی مدد نہیں کرتا، کیوں کہ بروز ہمیشہ اس شے سے الگ ہوتا ہے، جس کا یہ بروز ہوتا ہے، صرف اوتار کے معنوں میں بروز اور اس شئ میں عینیت پائی جاتی ہے، پس اگر ہم بروز سے ''روحانی صفات کی مشابہت'' مراد لیں تو یہ دلیل بے اثر رہتی ہے، اگر اس کے برعکس اس لفظ کے آریائی مفہوم میں اصل شی کا اوتار مراد لیں تو یہ دلیل بہ ظاہر قابل قبول ہوتی ہے لیکن اس خیال کا موجد مجوسی بھیس میں نظر آتا ہے''۔(۳۰)

ڈاکٹر اقبالؒ نے اپنے ایک انگریزی مضمون مطبوعہ ''اسٹیٹس مین'' میں نبوت محمدی اور قادیانیت کے درمیان وجہ امتیاز کو یوں واضح کیا ہے:

''اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں، یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم کی ختم رسالت پر ایمان، دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں، مثلاً برہمو سماج خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم کو پیغمبر مانتے ہیں، لیکن انہیں ملت اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم کی ختم نبوت کو نہیں مانتے، جہاں تک مجھے

معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا، ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم کی شخصیت کا مرہون منت ہے، میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں، یا ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کرلیں، ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہوتا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں"۔(۳۱)

علامہؒ ایک دوسرے مضمون میں رقم طراز ہیں:

"مسلمان ان تحریکوں کے معاملے میں زیادہ حساس ہے جو اس کی وحدت کے لئے خطرناک ہوں، چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بناء نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتماد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلامی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت، ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے"۔(۳۲)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے علامہ اقبالؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

"دین وشریعت کی بقا تو کتاب وسنت سے ہے، لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے اور یہ امت جب ہی تک ایک امت ہے جب تک وہ محمد ﷺ کو خاتم النبیین مانتی ہے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں"۔(۳۳)

علامہ اقبالؒ اپنے گراں قدر خطبات "Reconstruction of Religious thought in Islam" (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ) کے پانچویں خطبہ "اسلامی

ثقافت کی روح" میں محمد ﷺ کی ختم نبوت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان (جس کا ظہور آپؐ کی تعلیمات کی بدولت ہوا) ایک واسطہ کی ہے باعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے (جس کی آپؐ نے رہنمائی کی) لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے، یہ آپؐ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم وحکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آیندہ رخ کے عین مطابق تھے، (یعنی جن کی زندگی کو اب اپنی رہنمائی کے لئے ضرورت تھی) لہٰذا اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طریق پر ثابت کردیا جائے گا، استقرائی عمل کا ظہور ہے، اسلام میں نبوت چوں کہ اپنی معراج کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہوگیا، اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کرسکتا، اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوگی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے (جیسا کہ تعلیمات قرآنی کا مقصود بھی ہے) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا، یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا، یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، یا عالم فطرت یا عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے (کہ انسان اپنے وسائل سے کام لے، اس کے قوائے فکر وعمل بیدار ہوں اور وہ اپنے اعمال وافعال کا آپ جواب دہ ٹھہرے) کیوں کہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں ------ تصور خاتمیت سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ زندگی میں اب صرف عقل ہی کا عمل دخل ہے، جذبات کے لئے اس میں کوئی جگہ نہیں، یہ بات نہ کبھی ہو سکتی ہے نہ ہونی چاہئے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ واردات باطن کی کوئی بھی شکل ہو ہمیں بہر حال حق پہنچتا ہے کہ عقل اور فکر سے کام لیتے ہوئے اس پر آزادی کے ساتھ تنقید کریں، اس لئے کہ اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۂ یہ بھی مان لیا

کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق چوں کہ کسی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے، لہذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے جس سے اس قسم کے دعووں کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور جس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی باطنی واردات اور احوال کی دنیا میں بھی علم کے نئے نئے راستے کھل جائیں (اور ہم ان کا مطالعہ عقل وفکر اور تعلیمات نبوت کی روشنی میں کریں) بعینہ جس طرح اسلامی کلمہ کہ جزو اول نے انسان کے اندر نظریہ پیدا کیا کہ عالم خارج کے متعلق اپنے محسوسات ومدرکات (بہ الفاظ دیگر بظاہر فطرت یا قوائے طبیعہ) کا مطالعہ نگاہ تنقید سے کرے اور قوائے فطرت کو الوہیت کا رنگ دینے سے باز رہے (یعنی ان کو دیوی دیوتا تصور نہ کرے) جیسا کہ تہذیبوں کا دستور تھا"۔ (۳۴)

شورش کاشمیری مرحوم نے لکھا ہے آخر عمر میں قریباً اقبالؒ کی ہر صحبت میں غلام احمد قادیانی کا ذکر آجاتا تھا، ایک روز علامہؒ نے ارشاد فرمایا:

"قرآن کے بعد نبوت ووحی کا دعویٰ تمام انبیاء کرام کی توہین ہے یہ ایک ایسا جرم ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا ختمیت کی دیوار میں سوراخ کرنا تمام نظام دیانت کو درہم برہم کردینے کا مترادف ہے قادیانی فرقہ کا وجود، عالم اسلامی، عقاید اسلامی، شرافت انبیاء، خاتمیت محمد ﷺ اور کاملیت قرآن کے لئے قطعاً مضر ومنافی ہے"(۳۵)

نثر کے علاوہ نظم میں بھی علامہ اقبال نے پوری ایمانی بصیرت اور یقین کے ساتھ ذات رسالت مآب ﷺ سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے کہ محمد ﷺ، نبوت ورسالت کا خاتم، مولائے کل اور رشد وہدایت کا وہ آخری آفتاب ہیں جن کے نور سے دنیائے انسانیت فروزاں ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے   غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

علامہ اقبال اپنی شہرۂ آفاق مثنوی رموز بیخودی میں "رکن دوم رسالت" کے زیر عنوان اشعار میں ملت اسلامیہ کی پیدائش کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے پہلے ملت اسلامیہ کا پیکر تیار کیا اور پھر اس میں محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعہ زندگی کی روح پھونک دی، اس طرح ہمارا وجود ہمارا دین وآئین رسالت ہی کی بدولت قائم ہے رسالت ہی کے دم سے ملت اسلامیہ کے افراد میں وحدت افکار وکردار کی شان پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے وجود کی حفاظت کے لئے رسالت کو ایسا غیر محدود حلقہ بنا دیا ہے جو وسیع سے وسیع تر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، بحیثیت ملت ہمارا اصلی مرکز وادی بطحاء یعنی حرم کعبہ ہے اسی نسبت سے ہم ایک ملت ہیں اور ساری دنیا کے لئے ہمارا وجود پیام رحمت ہے۔

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید   وز رسالت در تن ما جاں دمید
از رسالت در جہاں تکوین ما   از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت صد ہزار ما یک است   جزو ما از جزو ما لاینفک است
آں کہ شان اوست یہدی من یرید   از رسالت حلقہ گرد ما کشید
حلقۂ ملت محیط افزاستے   مرکز او وادی بطحاستے
ما ز حکم نسبت او ملتیم   اہل عالم را پیام رحمتیم
از میان بحر او خیزیم ما   مثل موج از ہم نمی وزیم ما (۳۶)

اس کے بعد حضرت علامہ رسالت کے احسانات عظیم کے ذکر کے ضمن میں اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ دین فطرت (اسلام) کی نعمت عظمیٰ ہمیں محمد عربی ﷺ کے طفیل سے نصیب ہوئی ہے یہ آپ ہی کا احسان ہے کہ ہم ایک قوم ہیں اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات کی بدولت ہماری ملت کے افراد میں وحدت افکار، کردار پائی جاتی ہے جب تک ہماری کثرت میں

وحدت کی شان پائی جائیگی ، دنیا کی کوئی طاقت ہمارے وجود کو نہیں مٹا سکتی یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے محمد ﷺ کو خاتم الانبیاء کا منصب جلیل عطا کر کے آپ کی ذات پر نبوت اور ہم (امت محمدیہ) پر شریعت کا اختتام کر دیا۔ اس طرح اب دنیا کی رونق ہمارے وجود سے وابستہ ہوگئی ہے، آپ کی ذات اقدس چونکہ خاتم الرسل ہے اور ہم خاتم الاقوام ہیں ، اس لئے اب قیامت تک تشنگان توحید کو بادۂ نبوت سے سیراب کرنے کی ذمہ داری اور گلشن ملت کی آبیاری کا فریضہ ہم امت اسلام ہی کو انجام دینا ہے۔

دین فطرت از نبی آموختیم — در رہ حق مشعلے افروختیم
ایں گہر از بحر بی پایان اوست — ما کہ یکجانیم از احسان اوست
تانہ ایں وحدت زدست ما رود — ہستیٔ ما با ابد ہمدم شود
پس خدا بر ما شریعت ختم کرد — بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را — او رسل را ختم ما اقوام را
خدمت ساقی گری برما گذاشت — درد مارا آخرین جامی کے داشت
لا نبی بعدی زاحسان خداست — پردۂ ناموس دین مصطفیٰ ست (۳۷)

آخر الذکر شعر میں "**لا نبی بعدی**" سے رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی طرف اشارہ ہے۔

وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی ، وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی (۳۸) عن قریب میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہونگے جن میں ہر شخص یہی دعوی کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا درج بالا آخری شعر میں علامہ اقبال دنیائے اسلام کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زبان نبوت سے "**انا خاتم النبیین لا نبی بعدی**" کا اعلان کرا کے امت مسلمہ کی وحدت کو انتشار و افتراق اور تشکیک و تذبذب سے بچالیا کیونکہ اسلامی وحدت کی بناء

اور اس کے استحکام کا انحصار ، عقیدۂ ختم نبوت پر ہے علامہ اقبال فارسی کی ایک نعت میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفان الٰہی کی شمع سے کائنات کو اس طرح پرنور کر دیا ہے کہ آپ کے بعد اگر کوئی شخص خواہ کسی بھی مفہوم (ظلی یا بروزی ، تشریعی یا غیر تشریعی) میں نبوت کا دعوی کرے گا تو وہ مسلمان نہیں بلکہ مشرک ہے:

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک — بزم را روشن زنور شمع عرفاں کردہ ای (۳۹)

ڈاکٹر اقبال کی یہ فارسی نعت ان کے کسی بھی مجموعہ کلام میں شامل نہیں کی جاسکتی اور بہ قول شورش کاشمیری مرحوم اقبال کی یہ نظم قادیانی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ (۴۰)

مذکور بالا حوالہ جات کی روشنی میں غور فرمائیے کہ ختم نبوت پر ڈاکٹر اقبال کے کامل ایمان ویقین اور احمدیت پر سخت تنقید کے بعد بھی اقبال کو اگر کوئی شخص احمدی تصور کرتا ہے، تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یا تو اس کا دماغی توازن خراب ہے یا اس کو سچ بولنے کی عادت ہی نہیں ہے۔

مراجع

(۱) مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم ۔ اقبال کامل ص ۶۱
(۲) ایضاً — ایضاً ص ۶۱ بحوالہ جواہر اقبال ص ۳۷
(۳) ایضاً — ایضاً ص ۶۳، ۶۴ بحوالہ آثار اقبال ۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵
(۴) پروفیسر سید عبدالرشید ۔ اقبال اور عشق رسول ص ۴۷ بحوالہ اقبال نامہ ص ۲۱۔۲۲
(۵) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔ نقوش اقبال ص ۵۵
(۶) شورش کاشمیری مرحوم ۔ نظریات اقبال ماہنامہ الرشید (پاکستان) مدنی و اقبال نمبر ص ۴۰۳، ۴۰۴ بحوالہ اقبال کا خط بنام سید نذیر نیازی مطبوعہ طلوع اسلام ، اکتوبر ۱۹۳۵ء ماخوذ از انوار اقبال۔
(۷) علامہ اقبال ۔ کلیات اقبال اردو ص ۲۶۱
(۸) نصر ملک ۔ مکتوب بنام ف ۔ س ۔ اعجاز مدیر ماہنامہ انشاء کلکتہ (شمارہ جولائی ، اگست ۲۰۰۰ء) ص ۹
(۹) " " " " ص ۹
(۱۰) مولانا محمد منظور نعمانی قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ص ۲۱ بحوالہ تتمۃ الوحی ص ۶۸

(۱۱) ایضاً ایضاً ص ۲۱، بحوالہ مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء
(۱۲) ایضاً ایضاً ص ۲۳، بحوالہ دافع البلاء ص ۱۱ (حقیقۃ النبوۃ از مرزا محمود ص ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴
(۱۳) مولانا ابوالحسن علی ندوی قادیانیت تحلیل و تجزیہ ص ۷۹۔۸۰، بحوالہ تحفۃ الندوہ ص ۴
(۱۴) ایضاً ایضاً ص ۸۳، بحوالہ معیار الاخبار ص ۸ (ماخوذ از قادیانی مذہب)
(۱۵) ایضاً ایضاً ۸۳، بحوالہ ذکر الحکیم ۲، ص ۲۴ مرتبہ ڈاکٹر عبدالحکیم منقول از اخبار فضل مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء
(۱۶) عبدالرحمن کوندو۔ تمہید ختم نبوت ص ۱۰ (۱۷) ایضاً ۔ (۱۸) ایضاً
(۱۹) علامہ اقبال ختم نبوت ص ۵۶
(۲۰) عبدالرحمن کوندو تمہید ختم نبوت ص ۱۴ کلیات مکاتیب اقبال جلد چہارم ص ۳۳۰ (مرتبہ سید مظفر حسین برنی)
(۲۱) مولانا عبدالمجید سالک ذکر اقبال ص ۲۵۹
(۲۲) علامہ اقبال ۔ کلیات مکاتیب اقبال جلد ۴ (مرتبہ سید مظفر حسین برنی) ۴۸۱، ۴۸۳
(۲۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۸۷۔۴۸۸ (۲۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۸۳، ۴۸۵
(۲۵) مولانا عبدالمجید سالک ذکر اقبال ص ۲۵۹
(۲۶) پروفیسر رشید احمد صدیقی، اقبال شخصیت اور شاعری ص ب ۱۹، ۲۰
(۲۷) سید مظفر حسین برنی مرتب کلیات مکاتیب اقبال جلد ۴ ص ۲۹ر۷
(۲۸) مولانا عبدالمجید سالک ذکر اقبال ص ۲۰
(۲۹) " ص ۲۵۲، ۲۵۳ (۳۰) علامہ اقبال ختم نبوت ص ۲۷، ۲۸، ۲۹
(۳۱) مولانا ابوالحسن علی ندوی قادیانیت تحلیل و تجزیہ ۱۵۴، ۱۵۵ (بحوالہ حرف اقبال ص ۱۳۶، ۱۳۷)
(۳۲) ایضاً ایضاً ص ۱۵۵
(۳۳) مولانا ابوالحسن علی ندوی قادیانیت کا ظہور ص ۱۰، ۱۱، بحوالہ Islam and Ahmadism
(۳۴) علامہ اقبال تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (Reconstruction of relgious thought in Islam)
(۳۵) شورش کاشمیری نظریات اقبال مدنی و اقبال نمبر (ماہنامہ الرشید پاکستان) ص ۴۰۳، ۴۰۴، بحوالہ عرشی ملفوظات (۳۶) علامہ اقبال رموز بیخودی مع شرح پروفیسر سلیم چشتی ص ۱۰۶
(۳۷) ایضاً، ایضاً ص ۱۰۷ (۳۸) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی جامع ترمذی جلد ۲ رابواب الفتن ص ۴۵
(۳۹) رحیم بخش شاہین، اوراق گم گشتہ ص ۳۳۶، بحوالہ ہفت روز چٹان لاہور
(۴۰) ایضاً ایضاً ص ۳۳۵

عبدالقادر فخری مہربان

از: ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی ☆

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت کے پانچویں حصہ کو شیخ فخرالدین کے تذکرہ پر ختم کر دیا لیکن اس سلسلہ کی ایک قابل ذکر شخصیت عبدالقادر فخری کی ہے جو شیخ فخرالدین کے بھانجے تھے اور اسی نسبت سے اپنے کو فخری کہتے تھے، یہ آخر میں مدراس منتقل ہو گئے تھے، ان کے خاندان کے افراد اب بھی مدراس میں موجود ہیں عبدالقادر فخری ایک متبحر عالم، خوشگو شاعر اور صاحب تصنیف صوفی تھے۔

عبدالقادر فخری ۱۱۳۴ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے، مولوی غلام علی آزاد سے حدیث، تفسیر، فقہ، کلام وغیرہ کی تعلیم حاصل کی شاعری میں بھی انھیں سے تلمذ حاصل ہے، تصوف میں اپنے ماموں فخرالدین سے سلوک کی تعلیم حاصل کی اور انھیں سے خلافت پائی، مدراس آکر یہیں مقیم ہو گئے، نواب محمد علی والا جاہ اہل علم کے بڑے قدرداں تھے انھوں نے ان کی بھی پذیرائی کی اور ان کے نام ایک جاگیر لکھ دی، یہاں انھوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور تشنگان علم کو اپنے علم اور روحانیت سے سیراب کرتے رہے، یہیں ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی باقر آگاہ نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے۔ عبدالقادر فخری نے اپنے اشعار میں خود اپنے بارے میں بھی لکھا ہے تذکرۂ بینش میں بھی ان کا تذکرہ ہے، مولوی محمد یوسف کوکن نے کتاب

☆ Ayesha Complex, Ist Floor,17-Kalyan Society, Outside Panigate, Vadodara

اصل الاصول کے شروع میں عبدالقادر فخری کے حالات لکھے ہیں، راقم الحروف نے عبدالقادر فخری کی تین کتابیں دیکھی ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ اصل الاصول ۲۔ مفتاح المعارف ۳۔ سبحات، یہ تینوں کتابیں فارسی میں ہیں اور ان کا موضوع تصوف ہے ان میں سب سے اہم کتاب اصل الاصول ہے جو چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کا متن افضل العلماء مولوی محمد یوسف کوکن سابق رفیق دار المصنفین نے ۱۹۵۹ء میں شائع کردیا تھا۔

کتاب اصل الاصول کا موضوع وحدت الوجود ہے۔ یہ کتاب وحدت الوجود پر لکھی گئی اعلیٰ ترین کتابوں میں سے ایک ہے، اس سے عبدالقادر فخری کی متکلمانہ حیثیت، تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے، اس موضوع پر دوسری اہم ترین کتابوں میں ابن عربی اور صدر الدین قونیوی کے بعد شاہ رفیع الدین دہلوی کی کتاب دمغ الباطل، صاین الدین علی بن ترکہ کی تمہید القواعد، فضل حق خیرآبادی کا رسالہ روض المجود اور حضرت سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کے ملفوظات لطائف اشرفی میں وحدت الوجود کے مباحث خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ہندوستان میں ماضی میں لطائف اشرفی کے وسیع اور گہرے اثرات کا پتہ چلتا ہے، مدراس کے مشہور بزرگ عبدالحق ساوی جن کا انتقال بارہویں صدی ہجری میں ہوا ہے اور جو گیان بھنڈاری کے لقب سے معروف ہیں انھوں نے اپنے رسالہ دلائل محکم اور دوسری کتابوں میں لطائف اشرفی ہی کے دلائل کو اختیار کیا ہے اور اس کا حوالہ بھی دیا ہے، بعد کے ادوار میں یہ مباحث بغیر حوالے کے بھی پائے جاتے ہیں۔

ان تمام کتابوں میں اصل الاصول کو جو امتیازی حیثیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے وجود، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں بیشتر حکماء، متکلمین اور صوفیہ کی رایوں کو جمع کردیا ہے اور ان پر منقولی اور معقولی دونوں نقطہ ہائے نظر سے بحث کی ہے اس طرح صرف

ایک کتاب کو پڑھ کر قاری اس مسئلہ کے زیادہ تر مباحث سے مطلع ہوجاتا ہے، البتہ مصنف کی نظر سے دو نہایت اہم کتابیں لطائف اشرفی اور تمہید القواعد نہیں گزری تھیں اور دمغ الباطل کی اشاعت تو بہت بعد میں ہوئی ہے لیکن بہرحال کتاب مصنف کی وسعت معلومات، ژرف بینی اور قوت استدلال پر گواہی دیتی ہے۔

وحدت الوجود پر بحث کرتے ہوئے عبدالقادر فخری نے حضرت سید محمد گیسودراز قدس سرہ پر اعتراض کیا ہے جس میں انھوں نے حضرت گیسودرازؒ کے بارے میں بہت ناشائستہ اور ناروا الفاظ استعمال کئے ہیں، وجہ یہ ہے کہ عبدالقادر فخری ابن عربی کے مداحوں اور مقلدین میں تھے اور حضرت گیسودرازؒ نے ابن عربی پر نکتہ چینی کی ہے یہ بات عبدالقادر فخری کو پسند نہ تھی لیکن حضرت گیسودرازؒ سے اختلاف کو علمی حدود کے اندر رکھنے کے بجائے طعن و تشنیع سے کام لینا کسی طرح ادب و تہذیب اور خود صوفیہ کے مشرب کے مطابق نہیں ہے وحدت الوجود کے مسئلہ پر حضرت گیسودرازؒ سے حضرت سید اشرف جہانگیرؒ کو بھی اختلاف تھا ایک ملاقات میں دونوں میں اس مسئلہ پر بحث بھی ہوئی، حضرت سید اشرف جہانگیرؒ نے اپنے ایک مکتوب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے بہت کوشش کی کہ ابن عربی کے متعلق ان کے خیالات کو رفع کروں لیکن انھوں نے قبول نہ کیا اس کے باوجود سید اشرف جہانگیرؒ نے حضرت گیسودرازؒ کی بہت تعریف کی ہے اور ان کے علوِ مرتبہ کا اعتراف کیا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بھی حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ سے اختلاف تھا لیکن انھوں نے بھی ابن عربیؒ کے علوِ مرتبہ کا اعتراف کیا ہے، شاید یہ بھی ایک وجہ ہو کہ عبدالقادر فخری کی کتابوں کو مقبولیت حاصل نہ ہوسکی اور ۱۹۵۹ء میں اصل الاصول کی اشاعت کے بعد بھی اس کی طرف کسی کی توجہ نہ ہوسکی کیونکہ حضرت گیسودرازؒ سے ان کی مخالفت اور ان پر طعن کی بات مشہور ہوچکی تھی اور دکن میں مسلمانوں کو حضرت گیسودرازؒ سے کامل عقیدت ہے اور کم از کم طعن و تشنیع کی بات سننا تو کوئی بھی گوارہ نہ کرے گا۔

وحدت الوجود کا مسئلہ اب بہت زیادہ گھسا پٹا مسئلہ بن چکا ہے، اب اس کے مسائل و مباحث یہاں تحریر میں لانا علمی نقطہ نظر سے بھی زیادہ سودمند نہ ہوگا، اصل الاصول کے بارے میں گذشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہی کافی ہے جو دلچسپی سے خالی بھی نہیں ہے، اس لئے اس کے متعلق اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عبدالقادر فخری کی بقیہ دو نثری کتابیں مفتاح المعارف اور سبحات کا موضوع بھی تصوف ہے، اس کے قلمی نسخے مدراس کی بعض لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔

راقم الحروف نے ان کے قلمی نسخے دیکھے ہیں، ان کتابوں کے چھپنے کی بھی نوبت نہیں آئی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب تصوف کا ذوق باقی نہ رہا، دوسرے صوفیہ کو خانقاہی علم کی آج کل ضرورت نہ رہی، اصل الاصول کو طرز تحریر منطقی اور استدلالی ہے، مفتاح المعارف اور سبحات کا طرز تحریر ذوقی اور وجدانی ہے، اسے ہم شاعرانہ نثر بھی کہہ سکتے ہیں۔

عبدالقادر فخری ایک خوشگو شاعر بھی تھے اور مہربان تخلص کرتے تھے کبھی کبھی فخری تخلص بھی اختیار کرتے تھے، ان کا ہاتھ کا لکھا ہوا ان کا ایک دیوان شعر کتب خانہ دیوان صاحب باغ مدراس میں موجود ہے، ان میں بہت سے اشعار میں قطع و برید کی گئی ہے، اس لئے ان کو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے زیادہ غزلوں اور اشعار میں ایسے نشان لگے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان اشعار کو دوسری جگہ صاف کیا گیا ہے، غالباً وہ دوسرا صاف شدہ نسخہ ان کے خاندان میں محفوظ ہے جو راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا، اس قیاس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دیوان صاحب باغ کے نسخہ پر ایک مہر ہے جس میں ۱۱۷۶ھ ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ان کا کل کلام ۱۱۷۶ھ تک کا ہے اور مہربان نے اس بعد بھی بہت کہا اور لکھا ہوگا، اس قیاس کو مزید تقویت یوں ہوتی ہے کہ مولوی محمد یوسف کوکن صاحب نے ان کے خاندان میں جو نسخہ دیکھا ہے اس کی ضخامت دیوان صاحب باغ کے نسخہ کے مقابلہ میں تقریباً دوگنا ہے، دیوان صاحب باغ میں جو نسخہ ہے

اس میں کل ۱۷۵ صفحات ہیں، دوسرے یہ کہ دیوان صاحب باغ کے نسخہ میں کم غزلیں ایسی ہیں جن کو فکر و فن کے اعتبار سے معیاری کہا جاسکتا ہے لیکن کچھ غزلیں ضرور ایسی ہیں جو قاری کو فوراً متوجہ کر لیتی ہیں۔ اور سادگی، لطافت اور معنی آفرینی میں ایک اچھے شاعر کا پتہ دیتی ہیں چونکہ اس دیوان کے بعد وہ پچیس سال سے زیادہ بقید حیات رہے اور مشق سخن جاری رہی، اس لئے ان کے فن کو پروان چڑھنے کے لئے ان کو کافی وقت ملا اور خیال ہے کہ دوسرے دیوان میں اچھی غزلیں ضرور کافی تعداد میں ہوں گی، ان کی شاعری کے بارے میں مزید لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ منتخب اشعار پیش کردئے جائیں جن سے ان کی شاعری کا معیار، میلان طبع اور ان کی اٹھان کا اندازہ ہو سکے گا، چند غزلوں کے صرف ایک دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

(اردو ترجمہ کے ساتھ)

برائے خاطر بلبل بود گل ترا بہر دل ما آفریند
چمن میں پھول ہے بلبل کی خاطر میری خاطر تجھے پیدا کیا ہے

پئے احیاء ایں افسردہ طبعان زبانم را مسیحا آفریند
مردہ دلوں کو زندگی دینے کے واسطے میری زبان ہی کو مسیحا بنا دیا

با نکہت گل چہ نسبت او را گل سردو مزاج یار گرم است
نکہت گل سے اس کو کیا نسبت گل ہے سرد اور مزاج یار ہے گرم

عرق زد موج، گوہر آفریند دریدم جامہ محشر آفریند
موج کے پسینے سے پیدا کر دیا گوہر میرے چاک جامے سے ہوگیا بپا محشر

گرفت او دامن صحرا و من دل زمجنونم چہ کمتر آفریند
وہ چلا سوئے صحرا اور میں نے دل تھاما تم کہو میں مجنوں سے کتنا ہوگیا کمتر

آنسوے چرخ ہم سرشکے ہست صبح شبنم چکیدہ می آید

چرخ کے اس طرف بھی آنسو ہیں   صبح شبنم ٹپک کر آتی ہے

مہرباں از برایش استقبال   دل چو اشکم بدیدہ می آید

مہرباں ہوں، کرتا ہوں استقبال یوں اس کا   دل آتا ہے آنکھوں میں میرے اشک کی صورت

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ مہربان کے کلام میں سادگی، تغزل، شگفتگی، صفائی بیان، معنی آفرینی، روانی وفصاحت اس درجہ ہیں جو دامن دل کو کھینچ لیتے ہیں انھوں نے مغلق تراکیب پیچیدہ طرز بیان اور نامانوس اور تفصیل الفاظ سے اجتناب کیا ہے، وہ بیدلؔ اور صائب سے متاثر ہیں اور کہیں کہیں بے دل کی پیروی کی ہے لیکن صرف اس روش کو اختیار کیا ہے جس کا تعلق سادگی اور صفائی بیان سے ہے، بیدل کے پیچیدہ طرز سے احتراز کیا ہے۔

بے دل کی زمین میں دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

چمن از ہوا شدہ بزم مے چو بہار تو بہ شکن درآ   بدماغ گل نشہ آمدہ چو صبا تو ہم بچمن درآ

ہو میں حصول رہ سخن بکجی چو شمع زسوختن   زخیال خار بدن شکن چو زبان بکام دہن درآ

لیکن عبدالقادر فخری نے بیدلؔ کی زیادہ پیروی نہیں کی ہے صرف تفنن طبع کے طور پر چند اشعار لکھے ہیں وہ خود کہتے ہیں۔ ع   از فیض بیدلؔ است مثال وخیال من

البتہ وہ صائب سے زیادہ متاثر ہیں اور اس پر وہ فخر کرتے ہیں۔

اصفہان رنگین شد از اشعار ما   گرچہ در ملک دکن باشندہ ایم

مہربان کے کلام میں ایسے اشعار اچھی خاصی تعداد میں مل جائیں گے جن میں صائب کا مخصوص رنگ نمایاں ہے اس طرز میں پہلے مصرعہ میں کوئی دعویٰ کیا جاتا ہے اور دوسرے مصرعہ میں کسی مثال کے ذریعہ اس دعوے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

احتیاج ما سبکساراں بدوش غیر نیست   سیر دریا برگ گہ بے کشتی وپل میکند

ہم سبکسار نہیں بار بدوش اغیار   آب دریا میں نہیں کاہ کو کشتی درکار

بر ضعیفان کرم منعم دون است محال   رشتہ سیراب کجا از نم گوہر گردد

منعم دوں کا ضعیفوں پہ ہو کیوں لطف وکرم   رشتہ سیراب نہیں ہوتا نم گوہر سے

مہربان در رفتن از خود نیست مانع پیرہن   بوئے گل را برگ گل ہر گز نگردد سد راہ

پیرہن خود سے گزر جانے میں کب مانع ہے   برگ گل پھول کی خوشبو کو کہاں روکتا ہے

آدمی را در جہاں کسب ہنر ہا آبروست   آب دارد در بغل از فیض جوہر آئینہ

کسب ہنر سے آدمی پاتا ہے آبرو   آئینہ میں بھی فیض کے جوہر سے آب ہے

فیض بخش دگران را نبود بہرۂ فیض   کے ہما از اثر خویش توانگر گرد

جو فیض بخش ہے اس کا ہے مہربان یہ حال   خود اپنے فیض سے محروم ہے ہما کی طرح

در لباس فقر از بس خاکساری کردہ ام   ہمچو گرد آخر تنم در خرقہ پشمینہ ماند

لباس فقر میں یوں خاکساری میں گزارا ہے   کہ پشمینہ میں ہے مانند گرد اپنا تن خاکی

مہربان کے کلام میں زیادہ تر ان کے تغزل کی چاشنی لذت قلب ونظر کا سامان مہیا کرتی ہے۔ بیدلؔ کی طرح ان کے کلام میں دقیق فلسفیانہ خیالات نہیں ملتے حالانکہ ان کی کتاب اصل الاصول ان کی متکلمانہ موشگافیوں اور منطقی قوت استدلال پر دلالت کرتی ہے، اجس کے برعکس ان کے اشعار زیادہ تر ان کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں تغزل کے باجود ان کے اشعار روحانی اور عرفانی تجربات سے اور اخلاقی تعلیمات سے خالی نہیں ہیں اوپر کے اشعار سے یہ وصف بھی ظاہر ہے۔ تصوف کے بیشتر سلسلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتے ہیں، مہربان محبت اہل بیت کو لازم سمجھتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح میں ان کے چند اشعار ہیں۔

ناکام مطلق است بدنیا وآخرت   آنرا کہ بر ولائے علی اعتقاد نیست

اے مہربان بفتوی عشاق مومن است   در ہر دلی کہ حب علی جا گرفتہ است

مہربان از دارو گیر روز محشر فارغیم   ھست از حب علی مرتضی امداد ما

بخاک نیز ببین مہرباں سعادت من   ہنوز از مژہ رو بم غبار راہ نجف

مہربان کے ۱۱۷۶ھ تک کے کلام کو دیکھنے سے ان کے یہاں فکروفن میں تدریجی ارتقاء کا اندازہ ہوتا ہے چونکہ راقم کی نظر سے ان کا پورا کلام نہیں گزرا اس لئے ان کی شاعری کے بارے میں رائے دینا ابھی درست نہیں ہوگا ان کے بارے میں خود ان کے استاد میر غلام علی آزاد نے اپنی کتاب خزانہ عامرہ (تالیف ۱۱۷۶ھ) میں جو رائے دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استاد کے ذریعہ ان کے کلام میں حک و اصلاح ہوتی رہی کیونکہ ان میں پختگی پیدا نہیں ہوتی تھی، البتہ استاد نے ان کی ذہانت اور شعر فہمی کی تعریف کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"میر عبدالقادر از سادات رضویہ نیشاپور است و در این ایام بخدمت قضا روضۂ منورہ شاہ برہان الدین غریب قدس سرہ مامور گشت، درسے گزراندہ و استعداد علمی خوب بہم رسانیدہ فہم تند دارد و شعر خوب می فہمد و سخن خود از نظر فقیر می گذراند، تخلص مہربان تجویز فقرا ست"

ترجمہ: "میر عبدالقادر نیشاپور کے سادات رضویہ سے ہیں آج کل روضۂ منورہ شاہ برہان الدین غریب میں خدمت قضا پر مامور ہیں مجھ سے تعلیم لی اور خوب علمی استعداد پیدا کی۔ سمجھ تیز ہے اور شعر فہمی خوب ہے اپنا کلام مجھے دکھاتے ہیں ان کا تخلص مہربان فقیر کا تجویز کردہ ہے۔"

مدراس میں کسی زمانے میں فارسی شعر و ادب کا بڑا چرچا تھا وہاں ایک بڑی تعداد میں فارسی شعراء پیدا ہوئے اور فارسی لغات اور اس کے مختلف ادبی پہلوؤں پر کتابیں تصنیف ہوئیں، فارسی ادب کا یہ سب ذخیرہ وہاں کی لائبریریوں میں موجود ہے، لیکن اہل نظر کی نگاہوں سے مخفی ہونے کے سبب قدر دانی سے محروم ہے۔ ان قلمی کتابوں کے متن کی تحقیق، تدوین اور طباعت و اشاعت کے لئے سالہا سال درکار ہیں، لیکن اب تک یہ کام نہ ہو سکا تو اب اس کی امید بھی فضول ہے، اب فارسی ادب کا ذوق ہی کہاں رہ گیا اور اس کے قدر دان کہاں۔ اگر یہ کتابیں شبلی

نعمانی کے زمانے میں چھپی ہوتیں تو انہیں کما حقہ داد ملتی اور شعر العجم کے صفحات میں یہ زندۂ جاوید ہو جاتے اور پھر اس ادبی تاریخ کے آئینہ میں ملک و ملت پر قوم کے احسانات کا مزید پتہ چلتا اور کم از کم اپنے تابناک ماضی کی یاد تازہ ہوتی رہتی۔ لیکن اب یہ سب خواب و خیال کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مدراس کے قریب ویلور میں باقر آگاہ کے ہم عصر سید عبداللطیف ویلوری ذوقی جو نصف اوائل بارہویں صدی ہجری میں تھے فارسی شاعری میں ایک ستون کی حیثیت رکھتے تھے ان کے شعری سرمائے کا بڑا حصہ ضائع ہو جانے کے باوجود پندرہ سے بیس ہزار اشعار اب بھی موجود ہیں ان میں سے بیشتر کرم خوردہ ہو کر خراب ہو چکے ہیں راقم نے ان کے ڈیڑھ دو ہزار اشعار بڑی دقت سے نقطوں اور شوشوں کی مدد سے پڑھ کر متن کے قرأۃ (Decipherment) کی اور ترجمہ، تشریح اور مقدمے لکھے جو بالاقساط مجلہ اللطیف ویلور میں شائع ہوتے رہے، ان کی مثنوی معجز مصطفے کا تعارف کرایا، جو غزوات سرایا اور سیرت نبوی پر مشتمل ہے۔ ان کی تاریخی مثنوی نجیب نامہ ہے، جو شاہ نامہ فردوسی کی بحر میں ہے، اس سے وہاں کی مقامی سیاسی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے لیکن یہ سب ترجمے اور تعارف اس وقت ہوئے جب کہ اس کے قدر شناس نہ رہے، اب تک فارسی کی جو ادبی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب زیادہ تر شمالی ہند کے فارسی ادب سے متعلق ہیں، فارسی ادب کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ جس کا تعلق زیادہ تر کرناٹک سے ہے، ابھی تک گوشۂ گم نامی میں ہے، مولوی یوسف کوکن کی انگریزی کتاب کرناٹک میں عربی اور فارسی (Arabic & Persian in Carnatica) صرف تذکروں پر مشتمل ہے اور وہ بھی مکمل نہیں ہے، کرناٹک کی فارسی، ادبی اور تاریخی قدریں ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں، جو زبان حال سے کہہ رہی ہیں:

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق

مرزا محمد طاہر آشنا

از: پروفیسر عبدالاحد رفیق☆

مغلوں کے عہد حکومت میں اکثر شعرائے فارسی نے ہندوستان کی سکونت ترک کر کے مستقل طور پر کشمیر میں بود و باش اختیار کر لی تھی، کشمیر کے قدرتی مناظر، دلکش اور دلربا تفریح گاہیں شعراء کو دور دور مقامات سے یہاں کھینچ لاتی تھیں، شعر و شاعری کے لئے جس سکون، صبر اور خاموش ماحول کی ضرورت تھی وہ سب کچھ کشمیر میں میسر تھا، ان شعراء کے کارناموں کی وجہ سے کشمیر ایران صغیر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، جن فارسی شعراء نے کشمیر کو اپنا مسکن بنایا تھا ان میں مظہری میر عماد الدین، میر الہی ظفر خان احسن، مرزا محمد طاہر آشنا، ملا شیدا، تکلو فتح پوری، مرزا امر اللہ، حاجی جان محمد قدسی، محمد قلی سلیم ابو طالب کلیم اور صائب اصفہانی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

محمد طاہر آشنا ان شعراء میں شامل ہیں، جنہوں نے ہندوستان کی سکونت چھوڑ کر کشمیر کو مستقل طور پر اپنا مسکن بنایا اور کشمیر میں علم و ادب شعر و شاعری کی آبیاری کرتے رہے، ان کا اصلی نام مرزا محمد طاہر، آشنا تخلص، عنایت خاں لقب تھا، ظفر خاں احسن کے بیٹے تھے، ان کی والدہ بزرگ خانم ممتاز محل کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی، شاہ جہاں نے عنایت خاں آشنا کو سات برس کی عمر میں منصب عطا کیا تھا اور بالغ ہو کر پندرہ سو کے منصب پر سرفراز کیا اور بعد میں داروغہ حضور بنایا گیا، کہتے ہیں کہ یہ منصب صرف مغل خاندان کے معزز اور معتبر اراکین کو ہی دیا جاتا تھا، شاہجہاں نے اپنے آخری عہد حکومت میں ان کو شاہی کتب خانے کا داروغہ بنایا تھا اور اپنا ندیم خاص مقرر کیا تھا، عالم گیر کے زمانے میں ان کو چوبیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔

☆ اپر صورہ، سری نگر، کشمیر

جب شاہ جہاں تخت نشین ہوا اور سرمد کی ولادت کا شہرہ سنا، تو عنایت خاں آشنا کو اس کے پاس بھیجا کہ سرمد سے ملے اور اس کے کشف و کرامات کا حال معلوم کرے، عنایت خاں آشنا نے وہاں برہنگی کے سوا کچھ نہ دیکھا اور واپس آ کر یہ شعر پڑھا۔

برسرمد برہنہ کرامات تہمت است　　　کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت است

کہتے ہیں کہ جوانی کے دنوں میں آشنا کی حسن خوب صورتی کا شہرہ سارے ہندوستان میں ہوا تھا اور حسن و جمال کے شیدائی دور دور کے مقامات سے ان کو دیکھنے کے لئے آتے تھے، ایک مجذوب درویش نے ان کی خوب صورتی کا چرچا سنا اور وہ بھی حسن خداداد سے فیضیاب ہونے کے لئے ان کے دروازے پر حاضر ہوئے، مگر ملاقات سے شرف یاب نہ ہو سکے، ناکام لوٹا اور ان کے پاس یہ شعر بھیجا:

ناز بیجا چہ کنی چون برخت ریش آید　　　شرم کن شرم! کہ روز سیہت آید

محمد طاہر آشنا زمانہ شناس نہ تھا، اپنے باپ کی طرح دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالم گیر کی لڑائی میں دارا شکوہ کا ساتھ دیا تھا اور جب دارا شکوہ کو شکست ہوئی تو اس خاندان کا تعلق حکومت کے ساتھ وابستہ نہ رہا۔ اس لئے ظفر خاں احسن لاہور میں شعر و شاعری کرنے لگا اور عنایت خاں آشنا نے مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ جہاں ۱۰۸۱ھ میں فوت ہوئے اور مزار شعراء محلہ درگجن میں مدفون ہوئے تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، تاریخ اعظمی اور صحف ابراہیم میں ۱۰۷۷ھ لکھا ہے اور اکثر تذکرے تاریخ وفات کے بارے میں خاموش ہیں۔

آشنا ایک سمجھ دار جوان تھا درمند دل لے کے آیا تھا، لیکن طبیعت میں شوخی تھی، اپنے دوستوں مثلاً ابو طالب کلیم اور دوسرے شعراء کو اپنے گھر میں بلاتا اور کھانے کی چیزوں میں نشہ آور چیزیں ملا دیتا، نصر آبادی کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم تھے، اگرچہ اس کے ساتھ غائبانہ ملاقات تھی اس کو کئی بار خط لکھا تھا، اپنا دیوان خسرو کی غزلیات اور دوسری کتابیں اس کے پاس بھیج دی تھیں۔

عنایت خاں آشنا جود و سخا کے لئے مشہور تھے۔ خصوصاً شعراء سے مہربانی کے ساتھ پیش آتا، وہ خود عالم تھا اور علم و ادب کا قدردان تھا، اپنے باپ کی طرح علم پرور اور ادب نواز تھا۔ نثر

شعراء اپنے وطن سے بددل ہوکر کشمیر میں اس کی بارگاہ میں پہونچتے تھے اور جن احسانات کی توقعات کے ساتھ آتے تھے وہ پوری ہوتیں، صائب کے ساتھ بھی ان کے اچھے اور خوش گوار تعلقات تھے، اپنے باپ ظفر خاں کی طرح کشمیر میں ان کے اردگرد شعراء کا ایک بڑا ہجوم رہا کرتا تھا، وہ اگرچہ گوشہ نشین ہوچکا تھا، مگر اس وقت بھی شعر و شاعری کی محفلیں روشن ہوا کرتی تھیں۔

آشنا اس دور کے عام انداز کی طرح بڑی پرتکلف اور مرصع نثر لکھتے تھے، دیباچہ نگاری سے انھیں خاص دلچسپی تھی بادشاہ کے واقعات اور حالات جو کہ عبدالحمید لاہوری نے لکھے تھے اور بادشاہ نامہ میں درج ہیں، آشنا نے اس کا خلاصہ بہترین نثر میں لکھا ہے، اپنے والد کے دیوان پر بھی ایک خوبصورت دیباچہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بہترین انشا پرداز تھے۔

آشنا کا دیوان ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے، اس کے دیوان کے کئی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

دیوان آشنا ہندوستان کے مرکزی کتب خانے میں زیر نمبر ۱۵۸۴ موجود ہے جو ۱۰۶۰ھ میں لکھا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ خود آشنا کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے اس نسخے کے مضامین کی ترتیب یوں کی گئی ہے۔

قصائد (ورق ۱ تا ۳۰)

باز شد فصل بہار و طرب آمد بوجوہ غنچہ از عیض ہوا لب ستم بکشود

قطعات (ورق ۳۰ تا ۳۵)

بشنود گر گفت گوی قحطی کشمیر را با وجود کینہ جوئی آسمان گریاں شود

مراثی بصورت ترکیب بند (ورق ۳۵ تا ۳۹)

آنچہ شور است فلک کاندر جہاں افگندہ طائر آرام را از آشیان افگندہ

مثنویات (ورق ۴۳ تا ۶۷)

بنام خدائے کہ از قدر شاں خم بادہ را نام کرد آسماں

مثنویات در صفت کشمیر بہار آمد ای ساغر بکف گیر

مثنویات مختصر (ورق ۶۷ تا ۷۱)

زاطوار مردان راہ خدا چہ بیگانہ بشنود از آشنا

غزلیات (ورق ۷۱ تا ۱۵۶)

ای بسر تاج ز توحید تو ہر دیوانہ را حمد تو در لب اندیشہ سرگرداں را

غزلیات و رباعیات (ورق ۱۵۶ تا ۱۶۱)

نوری عشق بلبل را سوی گلزار میآرد

رباعیات (ورق ۱۶۲ تا ۱۷۹)

پیوستہ بزیر چرخ بے بہرہ مرا طالع کوتاہ باشد نالہ رسا

دیوان آشنا کا ایک اور نسخہ اسی کتب خانہ میں زیر نمبر ۱۵۸۵ درج ہے۔ اس کے پہلے صفحہ پر سال ۱۰۹۴ھ لکھا ہے، اس نسخے میں کافی اضافے کئے گئے ہیں اور اصلاح بھی کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی زندگی میں ہی لکھا گیا ہے ۱۰۹۴ھ میں مکمل ہوا ہے اس نسخے میں مضامین کی تقسیم یوں کی گئی ہے۔

قصائد (ورق ۴ تا ۴۳)

اگر جمال پری روئی من بیند حور شود ز غایت انصاف معترف بہ قصور

قطعات (ورق ۴۳ تا ۴۷)

ای آصف زماں و ارسطو جم نشاں بر در گہ تو قامت گردوں خمیدہ باد

ترجیع بند ساقی نامہ (ورق ۴۷ تا ۴۹)

ای بادہ کشاں مژدہ کہ ایام بہار است

مراثی (ورق ۴۹ تا ۶۸)

آنچہ شور است .... الخ

ساقی نامہ (ورق ۴۳ تا ۶۸)

چہ گویم ز وصف شراب قدح بیند زوال آفتاب قدح

غزلیات ناتمام (ورق ۱۴۷ تا ۱۵۲)

خموشی باددہ اہل سخن را

مطلعات (ورق ۱۵۳ تا ۱۵۵)

زاسباب تعلق راچہ نقصان است ببر پیرا بن از فانوس دارد شمع عریانست

غزلیات (ورق ۱۵۵ تا ۱۵۸)

نشد جز خوردشناسی حاصل ما از خداجوئی

دیوان آشنا کا ایک اور نسخہ رضا رام پور کے کتب خانے میں زیر نمبر ۲۵۲۳ موجود ہے، یہ دیوان ۱۰۶ اوراق پر مشتمل ہے۔

آشنا کی غزلوں میں حسن و عشق کی بہترین ترجمانی ملتی ہے ان کے خیالات حیرت انگیز اور بے حد لطیف ہوتے ہیں، جدت ادا کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ آشنا عاشق مزاج تھے اس لئے حسن و عشق کی چاشنی ان کے ہر شعر میں ملتی ہے آشنا کا محبوب کوئی فرضی یا روایتی طرز کا معشوق نہیں بلکہ ایک حسین و جمیل جسم رکھنے والا انسان ہے جس کی ہم آغوشی شاعر کو کیا لطف نہ دیتی ہوگی شراب، شاہد ہجر و وصال میخانہ وغیرہ مضامین شاعر نے اپنی غزلوں میں برتتے ہیں ہر جگہ استادانہ شان ظاہر ہوتی ہے وہ عام شعراء کی طرح پامال مضامین پر طبع آزمائی نہیں کرتے ہیں۔ کہیں کہیں ان کے یہاں معنی بندی بھی پائی جاتی ہے آخری دور کے کلام پر صوفیانہ تصورات کی چھاپ ہے کہیں کہیں صائب اور ظفر خان کا رنگ بھی ملتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کی انفرادیت قائم ہے اور ہر جگہ اپنی استادانہ شان موجود ہے۔

غزلیات

چشم آں لحظہ کہ در ہجر تو بیمار شود خار پست مژہ ام گلزار شود

عقل ناچار کنند زحمت از آرائش نفس دایہ پرہیز کند طفل چہ بیمار شود

الفت میانہ دو ستمگر نمی شود دندان مار دستہ حجر نمی شود

خط از وصال نیست چوں معشوق شعلہ خواست ماہی در آب گرم شنا در نمی شود

کدام چیز عزیزان زیکدگر گیرند بغیر ازیں کہ ز احوال ہم جز گیرند

گشت لو روز وچو بلبل بطامی گویا شد جام زریں زمی سرخ گل رعنا شد

آشنا نے رباعیات بھی لکھی ہے ان میں بھی ان کی انفرادی شان ظاہر ہوتی ہے رباعیات میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان میں بھی پند و نصائح، معرفت و عرفان اور محبوب کا حسن و جمال بیان کیا گیا ہے ہر جگہ جدت ادا کا خاص خیال رکھا گیا ہے حکمت اور دانائی کی باتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

کم ظرف زعشق خرمن بنی سوخت پیر حوصلہ نور زندگانی اندوخت

کاہید خرد زعشق وافزود جنوں از باد چراغ مردو آتش افروخت

خالق نتواں بہ ہیچ احد را گفتن مخلوق نمی تواں صمد زاگفتن

بے یک بنودے ہیچ عدد لیک یکے جز یک نتواں ہیچ عددرا گفتن

آنرا کہ بود معرفت حق حاصل در صفوت اور خطر نگردد حاصل

پاکان سبب فساد ہرگز نشود از آب دہن روزہ نگردد حاصل

مثنویات

دارا شکوہ نے ایک محل تعمیر کروایا تھا اس کا نام آئینہ محل تھا اور یہ محل لاہور میں تعمیر کیا گیا تھا اگرچہ اس محل کا نام و نشان اب موجود نہیں ہے اور یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ یہ محل لاہور کے کس علاقے میں واقع تھا، مرحوم پروفیسر مولوی محمد شفیع پرنسپل اورینٹل کالج لاہور لکھتے ہیں کہ موجودہ امام باڑہ اور مزار حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے درمیان اس کے کھنڈرات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور اس کی تصدیق سید لطیف نے بھی کی ہے اس علاقہ کو آج کل شیش محل کے نام سے یاد کرتے ہیں عنایت خاں آشنا نے بھی شیش محل کے متعلق دو مثنویاں لکھی ہیں جن کو مرحوم مولوی محمد شفیع نے اورینٹل کالج کے میگزین میں نقل کیا ہے ان دونوں مثنویوں کے لوازم کا خاص خیال رکھا ہے۔

مثنوی اول

حبذا ایں نشیمن والا — کہ بود رشکِ عالم بالا
چہ عجب زآبگینہ بسیار — گر ہوایش بود رطوبت دار
نیست آئینہ ہا بدیوارش — دل پاکان بود گرفتارش
ہر کہ یک بار اندر او گردید — ہمچو خود محو او ہزاران دید

مثنوی ثانی

حبذا ایں خانہ آئینہ کار — کا سمان شد بہر او آئینہ دار
ایں قدر ز آئینہ باشد نمود — بادل از پاکان کہ دیدن ربود
کہ تو ان آسمان شد ہمرش — می تواں درود زیدن اخترش
تاپے نظارہ او سر کشد — سرمہ شب در دیدہ اختر کشد

آشنا ئے کشمیر پر بھی ایک مثنوی لکھی ہے ایک ساقی نامہ بھی ان کی طرف منسوب ہے قصائد میں بھی ایک شان اور زور وشور ملتا ہے ان میں اساتذہ کے فن اور ہنرمندی کو آشنا نے پوری طرح اپنانے کی کوشش کی ہے۔

ماخذ

۱۔تذکرہ نصیر آبادی۔۲۔کلمات الشعراء۔۳۔تذکرہ ہمیشہ بہار۔۴۔تاریخ اعظمی ماثر الامراء۵۔ریاض الشعراء۶۔مجمع النفائس۔۷۔سرو آزاد۔۸۔تذکرہ شعرائے متقدمین ۹۔صحف ابراہیم ۱۰۔مرات آفتاب نما۔۱۱۔نتائج الافکار۔۱۲۔شمع انجمن۔۱۳۔دائرۃ المعارف اردو لاہور۱۴۔ماثر رحیمی ۱۵۔اورینٹل کالج میگزین ۱۹۲۶ء۔۱۶۔تاریخ حسن جلد چہارم ۱۷۔تذکرہ شعرائے کشمیر راشدی ۱۸۔تذکرہ شعرائے کشمیر، اصلح۔۱۹۔رود کوثر از شیخ محمد اکرام۔۲۰۔بزم تیموریہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۔۲۱۔شاہجہاں نامہ ۲۲۔نگارستان کشمیر۔

حالات حاضرہ

نیوکلیر بم۔۔۔گرمیوں کے کھیل

از

جناب اروندھتی رائے☆ مترجم ڈاکٹر محمد کاظم☆☆

اس برصغیر سے سفیروں اور ان کے خاندان اور سیاحوں کے انخلا ہونے کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک کے نامہ نگار دلی میں درجنوں کی تعداد میں وارد ہو رہے ہیں، ان میں بہت سے ٹیلی فون کر کے مجھ سے پوچھتے ہیں ''تم ابھی تک شہر میں موجود ہو کہیں بھاگیں نہیں، کیا نیوکلیائی جنگ کا خطرہ صحیح نہیں، اس صورت میں کیا دلی خاص نشانے پہ نہیں رہے گی؟

اگر نیوکلیائی اسلحے موجود ہیں تو نیوکلیائی جنگ کا امکان بڑھ جاتا ہے اور یقیناً دلی خاص نشانے پر ہے لیکن اسے چھوڑ کر ہم کہاں جائیں، اگر میں چلی بھی جاؤں تو ہر چیز، ہر شخص، ہر درخت، ہر گھر، ہر کتا، ہر گوریا اور ساری چڑیا کہاں جائے گی، جن سے مجھے انسیت اور محبت ہے، اگر یہ حملے کی زد میں آجاتے ہیں تو میں کیسے زندہ رہوں گی، میں کس سے محبت کروں گی اور کون مجھ سے محبت کرے گا؟ کون سا سماج مجھے خوش آمدید کہے گا اور کون مجھے برداشت کرے گا۔

اس لئے ہم سب یہیں رہ رہے ہیں اور ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے سے کتنی الفت ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی سوچتے ہیں کہ اب اس وقت ہم سب کا مرجانا کتنے شرم کی بات ہوگی، زندگی اس لئے معتدل بنی ہوئی ہے کیونکہ وہ خطرہ ٹل گیا ہے، ہم اور سارے لوگ اس وقت بارش کا انتظار کر رہے ہیں، فٹبال میچ دیکھ رہے ہیں، انصاف کے منتظر ہیں، ایسے میں پرانے ریٹائرڈ گھاگ، جنرل اور ٹی وی کے اینکر لوگ

☆مضمون نگار انگریزی کی مشہور مصنفہ اور اہل قلم ہیں، ان کا یہ مضمون ٹائمس آف انڈیا مورخہ ۴؍جون ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا تھا☆ ☆☆سب اڈیٹر آج کل (اردو) ٹپیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

یہ بات کر رہے ہیں کہ کون پہلے حملہ کرے گا اور کس کے پاس جوابی حملہ کی صلاحیت ہے وہ اس طرح سے بات کرتے ہیں جیسے وہ لوگ کسی گھر میں کھیلے جانے والے کھیل پر اپنی اپنی رائے دے رہے ہوں۔

میرے دوست اور میں پروفیسی (Prophecy) کے بارے میں بات کرتے ہیں وہ ڈاکومینٹری فلم جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرائے جانے سے متعلق ہے، وہ آگ کا گولہ، مرے ہوئے جسم، ندی کو پاٹتے ہوئے ہلاک ہونے والے وہ بچے جن کے لباس ان کے جسم کے ساتھ ہی جل گئے تھے، نسل در اصل وراثت میں ملنے والی کینسر جیسی مہلک بیماری میں مبتلا لوگ ہی نہیں بلکہ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں، وہ بھی اس مہلک بیماری کے شکار ہیں، ہمیں خاص طور پر وہ آدمی یاد پڑتا ہے جو مکان کی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے پگھل گیا تھا، ہم بھی اپنے بارے میں ایسا ہی سوچ رہے ہیں، جب سیڑھی پر ہمارا دھبہ موجود رہے گا تو میں تصور کرتی ہوں کہ آنے والی نسلوں میں اسکول جانے والے بچے ہمارے اس دھبے کی طرف اشارہ کرکے خاموشی سے کہیں گے۔۔۔۔ یہ ایک مصنف تھا۔ نہ ہی مذکر نہ مؤنث کا استعمال ہوگا بس وہ۔۔۔

میرے شوہر درختوں کے بارے میں کتاب لکھ رہے ہیں جس میں ایک باب ہے انجیر کے درختوں کے پھل کیسے آتے ہیں اور پھول ان میں کیسے پیدا ہوتے ہیں، ہر انجیر کی اپنی ایک مخصوص موم جیسی جھلی ہوتی ہے اس طرح کی ہزاروں مختلف مومی جھلیاں ہیں، ہر ایک مخصوص الگ الگ جو لاکھوں سال کے ارتقاء کے بعد پیدا ہوئی ہیں ایسی ساری انجیر کی جھلیاں بم سے اڑ جائیں گی اش۔۔۔ش ش۔۔۔ اور میرا شوہر اور اس کی کتاب۔۔۔

میرے ایک عزیز دوست جو نرمدا بچاؤ آندولن میں سرگرم ہیں، وہ پچھلے چودہ دنوں سے بھوک ہڑتال پر ہیں اور انہوں نے مان باندھ بنانے کے لئے گاؤں والوں کے اخراج کے خلاف یہ بھوک ہڑتال کی ہے۔

یہ عقیدے اور امید سے معمور اتنا بڑا کام ہے اور آج کی اس دنیا میں یہ یقین کی کتنی بڑی جسارت ہے کہ عدم تشدد پر مبنی مظاہرے کا اثر لازمی پڑے گا؟ کیا اس کا اثر ہوگا؟ وہ سرکار جو

ایک بنجر ہوئی دنیا کے تصور سے خوش اور مطمئن ہے، اس کے سامنے ایک برباد ہوئی وادی کی کیا حیثیت ہوگی۔ اس ہیبت ناک خطرے کو اتنی اونچائی تک پہونچا دیا گیا ہے کہ اب صرف نسل کشی یا نیوکلیائی جنگ ہی بات کرنے کا موضوع رہ گیا ہے، خاموش مظاہروں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، تشدد ہی اب موثر چیز رہ گئی ہے اور تشدد کے خلاف جنگ کے پس پشت بنیادی نظریہ یہ ہے کہ جنگ ہی اس تشدد کو ختم کرنے کا واحد حل ہے اور اسی نے اس بات کو یقینی بنا دیا ہے کہ اس برصغیر میں صرف تشدد پسندوں کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ نیوکلیائی جنگ شروع کریں۔

لوگوں کا اخراج، انہیں ان کی ملکیت سے محروم کرنا، بھوک، قحط، غریبی، بیماری۔۔۔ اب یہ صرف ہنسنے کی چیزیں ہوگئی ہیں، ہمارے وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ امرتیہ سین نے غلط نظریہ پیش کیا ہے۔۔۔ ہندوستان کی ترقی کی بنیاد تعلیم اور صحت نہیں ہے، بلکہ ملک کا دفاع ہے (یہ نہ بھولئے کہ دفاعی سمجھوتوں سے رشوت ملتی ہے جس سے ہم سب محبت کرتے ہیں) شاید ان کا مطلب یہ تھا کہ جنگ ہی وہ موضوع ہے جس سے پوری دنیا کی نگاہیں فاشزم اور نسل کشی سے ہٹائی جاسکتی ہیں، پھر اس کے ذریعہ حکومت کرنے کے ہر بنیادی پہلو سے جس پر فوری توجہ چاہئے، لوگوں کے ذہن کو منتشر کیا جاسکتا ہے ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے لئے کشمیر کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ان کے سارے مسائل کا دائمی اور کامیاب حل ہے، کشمیر ہی وہ خرگوش ہے جسے جب ضرورت پڑے وہ اپنی ٹوپیوں سے نکال لیتے ہیں اور اب یہ ریڈیو ایکٹیو خرگوش ہوگیا ہے جو ان کے کنٹرول سے باہر ہوگیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ کشمیر کی سرحد پر پاکستان کے تشدد کی کارروائیاں جاری ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی وادی میں دوسری طرح کا تشدد پایا جاتا ہے، ایک طرف جہادی میلیٹینٹ ہیں، کچھ کرائے کے غیر ملکی ٹٹو ہیں، کچھ مقامی ٹٹو ہیں، کچھ انڈر ورلڈ جرائم پیشہ لوگ ہیں اسلحہ بیچنے والے ہیں اور جرائم میں ملوث سیاست داں ہیں، سیاست داں اور ایسے سرکاری افسر سرحد کے دونوں طرف ہیں، اس کے ساتھ ہی وہاں انتخاب میں دھاندلی، روزانہ لوگوں کی بے عزتی، اچانک غائب کئے جانے اور پھر نقلی مڈبھیڑ کے واقعات ہیں، اب پورے ملک میں یہ شور برپا ہے کہ ہندوستان ایک ہندو ملک ہے، حکومت کی نگاہ کے سامنے مسلمانوں کا

قتل عام کیا جاسکتا ہے اور اس طرح کی نسل کشی کئے جانے پر انصاف کی کوئی کارروائی نہیں ہو بلکہ یہ نسل کشی کرنے والے لوگ الیکشن میں کھڑے ہوں گے، کیا ہندوستان اب پورے میدانی علاقے میں ایک ہندو ملک بن گیا ہے اور صرف سرحدی حصوں میں سیکولر رہ گیا ہے؟

اس دوران تشدد کے خلاف بین الاقوامی اتحاد کے داعی جنگ چھیڑ رہے ممالک دوسروں سے ضبط وتحمل کرنے کو کہہ رہے ہیں برطانیہ دونوں ملکوں کو اسلحہ بیچ رہا ہے، ابھی چند مہینے قبل ٹونی بلیئر جو یہاں امن کے نام پر آئے تھے، دراصل وہ تجارتی دورہ تھا تاکہ ایک بلین پونڈ کے ہاک اور فائیٹر بامبر ہندوستان کو بیچ سکیں (یہ مت بھولئے کہ اسلحوں کے سودوں میں کمیشن ملتا ہے، رشوت ملتی ہے جو ہم سب کو جی جان سے عزیز ہے)

مغربی ممالک کے صحافی مجھ سے پوچھتے ہیں کہ یہاں امن کی کوئی تحریک فعال کیوں نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں امن کی تحریک کیسے چل سکتی ہے، جب ہندوستان کی اکثریت کے لئے امن کا مطلب روزمرہ کی زندگی گزارنے کے لئے کھانا، پانی، سر چھپانے کی جگہ اور عزت کا تحفظ ہے جس کے لئے اسے جنگ کرنی پڑتی ہے، جس دوسری طرف جنگ ایک ایسی چیز ہے جسے تربیت یافتہ فوجی دور دراز کی سرحدوں پر لڑتے ہیں اور نیوکلیائی جنگ ۔۔۔ اس کا تصور بھی عام آدمی کی پہونچ سے باہر ہے، وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم اب کون سی کتاب لکھ رہی ہو، نیوکلیائی جنگ کی بات سے ہی موسیقی، آرٹ، ادب، اور ہر چیز جو تہذیب کو بناتی ہے اس طرح حقارت کی چیز ہوگئی ہے کہ میں کون سی کتاب لکھوں؟

صرف یہ دس لاکھ فوجی ہی سرحد کے دونوں طرف بالکل الرٹ نہیں کھڑے ہوئے ہیں بلکہ ہم سب ہیں اور یہی کام نیوکلیر بم کرتے ہیں چاہے اسے استعمال کیا جائے یا نہیں، وہ ہر اس چیز کو برباد کردیتے ہیں۔ جو انسان سے متعلق ہیں وہ زندگی کی معنویت کو بھی بدل دیتے ہیں۔

پھر ہم انھیں کیوں برداشت کرتے ہیں؟ پھر ہم ایسے انسانوں کو کیوں برداشت کرتے ہیں جو نیوکلیائی اسلحوں کا استعمال کرکے پورے عالم انسانی کو ہی بلیک میل کررہے ہیں۔

☆☆☆

فضائے وسیع ہماری پرواز کی منتظر ہے

مرکزی سروسز میں مسلم نمائندے

از: ڈاکٹر محمد کاظم

پچھلے مہینے I.A.S. اور دیگر اور مرکزی سروسز کے لئے ہوئے امتحان کے نتائج کا اعلان ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس بار یونین پبلک سروسز کمیشن (U.P.S.C) نے اخباروں میں کامیاب امیدواروں کے ناموں کی اشاعت نہیں کی، اس لئے ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی کسی اردو اخبار میں مسلمانوں کی کامیابی کی شرح پر کوئی ماتم کرتا ہوا مضمون ابھی تک نہیں شائع ہوا، قیاس ہے کہ اس بار بھی سال گزشتہ کی طرح آٹھ دس لڑکے ہی ان امتحانات میں کامیاب ہوئے ہونگے، بہرحال ابھی پچھلے ہفتے ہی U.P.S.C میں ڈیفینس سروسز کے لئے آرمی ایئر فورس اور انڈین نیول اکیڈمی کے لئے ہوئے امتحان کے نتائج کا اعلان کیا ہے، یہ سروسز بھی I.A.S کے مساوی ہی ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ان سروسز میں ایک بار داخلہ ملنے کے بعد سے ان کارننگ اسکیل کیپٹن سے لے کر بریگیڈیر کے اسکیل تک چلا جاتا ہے چونکہ ڈیفنس سروسز میں میجر کے بعد سارے پروموشن سینئرٹی کے مطابق نہیں بلکہ سلیکشن کی بنیاد پر ہوا کرتے ہیں، اس لئے زیادہ تر لوگوں کا میجر سے آگے بڑھنا مشکوک ہوجاتا تھا، حکومت نے اس طرف توجہ کرتے ہوئے انھیں بریگیڈیئر تک کارننگ اسکیل دے دیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ میجر کے بعد کوئی

پرموشن نہیں ملتا ہے تو خواہ وہ میجر کے عہدے پر ہی رہے لیکن ان کی تنخواہ میں ہر سال اضافہ ہوتا رہے گا اور وہ بریگیڈیئر کی تنخواہ آخر تک پانے لگیں گے، اس کے علاوہ ڈیفنس سروسز میں ایک معمولی سپاہی سے لے کر جنرل تک کو جو مراعات حاصل ہوتی ہیں، خصوصاً مفت غذا، دوائیں سفر وغیرہ اور بہت سے دوسرے بھتے وغیرہ کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عام طور پر ڈیفنس سروسز کی طرف مسلمانوں کا رجحان کم رہا ہے۔ ممکن ہے اس میں کچھ خاص وجہیں مانع رہی ہوں لیکن اس بار U.P.S.C نے جو نتائج کا اعلان کیا ہے وہ کافی امید افزا رہے ہیں ان تینوں اکیڈمیوں کے لئے کل ۵۴۶ امیدوار منتخب کئے گئے ہیں، ان میں گیارہ مسلم امیدوار ہیں جو اب تک کے منتخب ہونے والے مسلم امیدواروں کے مقابلے میں کہیں بڑی تعداد ہیں، اگرچہ مجموعی تعداد کے مقابلے یہ بھی دو فیصد کے قریب ہیں ہیں لیکن ہمیں کامیابی کا تناسب نکالنے سے پہلے اس کا بھی ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ کل کتنے مسلم امیدواروں نے درخواستیں دیں، امتحان میں کتنے بیٹھے، انٹرویو اور فیزیکل کے لئے کتنے بلائے گئے اور ان میں کتنے کامیاب ہوئے، تبھی صحیح معنوں میں یہ تناسب نکل سکے گا، گو کامیاب امیدواروں کے مقابلے میں گیارہ کی تعداد بہت ہی کم ہے، تقریباً دو فیصد۔ تاہم اسے اگر آج تک کے پس منظر میں دیکھا جائے تو کامیابی کی شرح نہایت امید افزا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب مسلم لڑکے بھی اس طرف توجہ کر رہے ہیں، آیئے اب تینوں سروسز کو الگ الگ دیکھیں، ان ۵۴۶ کامیاب امیدواروں میں سے ۴۳ امیدوار I.N.A (انڈین نیول اکیڈمی) کے لئے منتخب ہوئے جن میں ایک مسلمان ہے لیکن یہ مسلمان امیدوار اس فہرست میں اول نمبر پر ہے، اسی طرح I.A.F. (انڈین ایئر فورس) کے لئے ۳۹ امیدوار کامیاب ہوئے، ان میں چار مسلم امیدوار منتخب ہوئے، لیکن خاص بات یہ ہے کہ منتخب ہونے والے مسلم امیدواروں میں تین امیدوار ایسے ہیں جو بری (Army) فضائی (Air force) اور بحری (Navy) تینوں کے لئے منتخب ہوئے

لیکن یہ امیدوار مشترکہ سروسز کے لئے منتخب ہوئے اور یہ بھی خاص بات ہے کہ اس بار کامیاب امیدواروں کی فہرست میں ان کے نام نیچے نہیں بلکہ اوپر ہی ہیں۔

ابھی تک مسلم یا دوسری پسماندہ ذاتوں کے لئے I.A.S وغیرہ کے لئے ہی کوچنگ کلاسز مختلف جگہوں پر چلائے جاتے ہیں، جب کہ ہندوستان میں خصوصاً U.P.S.C کے ذریعہ لئے جانے والے تمام ایسی I.A.S کے مساوی سروسز ہیں جن کے لئے کہیں بھی کوئی کوچنگ کا انتظام نہیں ہے جب کہ پورے ملک میں بہت سے ایسے ادارے ہیں جو خصوصاً اقلیتوں کے لئے انجینئرنگ کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن انہیں سے کسی بھی ادارے نے انڈین انجینئرنگ سروسز کے امتحانات میں شریک ہونے والے امیدواروں کے لئے کہیں بھی کسی بھی کوچنگ کا کوئی انتظام نہیں ہے، اسی طرح میڈیکل سروسز کے لئے انڈین میڈیکل سروسز، معاشیات کے میدان میں انڈین اکونومک سروسز، اعداد و شمار سے تعلق رکھنے والے انڈین اسٹیٹسٹکل سروسز اور محکمہ جنگلات کے لئے I.F.S (انڈین فارسٹ سروسز) یہ سارے امتحانات الگ الگ ہوتے ہیں، ان کا I.A.S یا الائڈ سروسز سے کوئی لینا دینا نہیں ہے لیکن یہ سب کے سب I.A.S کے مساوی ہوتے ہیں، ابھی ابھی انڈین فوریسٹ سروسز کے امتحانات کے نتائج بھی شائع ہوئے جس میں کل ۱۳۳ امیدوار کامیاب ہوئے ان میں ایک بھی مسلمان امیدوار نہیں ہے، کیا یہ ہماری اور ہمارے اداروں کی بے توجہی نہیں ہے، اسی لئے ہم امید کرتے ہیں کہ کچھ تنظیمیں جو I.A.S کی کوچنگ کراتے ہیں وہ اب اس طرف بھی کچھ توجہ کریں گی کیونکہ آسمان بہت وسیع ہے، اڑنے کے لئے آسمان کی پوری وسیع فضا ہماری منتظر ہے، ہمیں اپنے نقطۂ نظر کو ایک ہی سروسز تک محدود نہیں کر لینا چاہئے۔

چونکہ اول تو مسلم امیدوار اس طرح کی سروسز کے لئے امتحان دینے کا حوصلہ ہی نہیں کرتے اور جو امیدوار کامیاب ہوتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی، اس لئے ہم کامیاب امیدواروں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اخبار علمیه

مکہ مکرمہ کے ''اخبار العالم الاسلامی'' نے یہ خبر شائع کی ہے کہ سعودی عرب کی حکومت کے ایک رفاہی بینک نے مختلف عالمی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمے کی طباعت کے لئے ۳۳ لاکھ سعودی ریال مختص کئے ہیں، اس رقم سے قرآن مجید کے ترجمے کے ایک لاکھ تیس ہزار نسخے شائع کئے گئے ہیں، یہ عظیم الشان کارنامہ سعودی شہزادہ ولید بن طلال بن عبدالعزیز کی کوشش ومحنت کا ثمرہ ہے، وہی اس فلاحی بینک کے صدر ہیں۔

قرآن پاک کے یہ ترجمے بوسنیائی، البانوی، فارسی اور سندھی زبانوں میں شائع ہوئے ہیں، بوسنیائی زبان میں ۵۰ ہزار، البانوی میں ۴۰ ہزار، فارسی اور سندھی میں ۲۰، ۲۰ ہزار نسخے طبع ہوئے ہیں، قرآن مجید کے ان ترجموں سے عربی زبان سے ناواقف مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے براہ راست واقفیت اور آگاہی ہوگی اور غیر مسلم حضرات بھی قرآنی اور اسلامی تعلیمات سے متعارف ہوں گے۔

اس لحاظ سے اسلام اور اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے تئیں بینک کی گراں قدر خدمات کی یہ ایک زریں کڑی ہے۔

امیر ولید بن طلال نے پچھلے سال (۱۴۲۲ھ) میں دس کروڑ کی مالیت سے یہ بینک قائم کیا تھا، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ آئندہ پانچ برسوں تک ہر سال بیس لاکھ ریال کے صرفہ سے اصلاح معاشرت، تعلیم، صحت اور دوسرے فلاح وبہبود کے شعبوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مفید خدمات انجام دی جائیں۔

ابھی دو سال قبل بعض ہندوستانی علما کو شہزادہ ولید بن طلال کی جانب سے پیش کردہ اہم دینی کتابوں کا ہدیہ موصول ہوا تھا۔

مدینہ منورہ میں ''مجمع الفہد ملک'' عالمی پیمانے پر اشاعت قرآن کا سب سے بڑا ادارہ ہے، جہاں سے مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع ہوتے ہیں، اس ادارہ نے قرآنی تعلیمات کی نشر واشاعت کے لئے انٹرنیٹ کو بھی وسیلہ بنایا ہے، جس پر عربی اردو، انگریزی، فرانسیسی، اسپینی، انڈونیشی اور ہاؤزا زبانوں میں علوم قرآن کی ترسیل ہوتی ہے۔ مختلف اسلامی علوم وفنون کا مطالعہ بھی اس ویب سائٹ پر کیا جاسکتا ہے۔

www.qurancomplex/org.ard.

اسلامی علوم کے معروف مطبع ''بریل'' لائیڈن نے انسائکلوپیڈیا آف اسلام کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے جو جلد اول تا جلد نہم سی ڈی روم پر بھی دستیاب ہے، موضوعاتی اشاریہ، اسماو اصطلاحات کی فہرست بھی اس میں شامل ہے، سی ڈی روم کی قیمت ۳۷۵ ڈالر ہے۔

فرانسیسی مصنف تھائری میسن کی ایک تازہ ترین تصنیف ''حیرت انگیز فراڈ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس میں امریکہ کے عالمی تجارتی مرکز اور پنٹاگن کی عمارتوں پر حملے کے بارے میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ وہ خود امریکی فوج کے ہی ایک گروپ کی سازش سے کیا گیا تھا، کتاب فرانس میں بہت مقبول ہورہی ہے اور اکثر لوگوں کے نزدیک اس کے مصنف میسن کا نظریہ درست ہے اور اس نے دراصل حقائق کو واشگاف کردیا ہے، لیکن میڈیا اس کی تضحیک وتمسخر پر آمادہ ہے، کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی چھپ گیا ہے اور وہ امریکی کتب خانوں تک پہنچ گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعصب، تنگ نظری، اسلام اور مسلم دشمنی کے اس ماحول میں بھی مغرب واقعیت پسند اور حقیقت بیں لوگوں سے خالی نہیں ہے۔

(ضیاء الرحمن اصلاحی)

معارف کی ڈاک

ایک اہم خط

مکرم ومحترم ۔۔۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں یہ خط آپ کی خدمت میں انجمن عالمی دستور اور عالمی پارلیمنٹ کی جانب سے اس کے نمائندہ اور نائب صدر لکھنؤ برانچ کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں۔

جیسا کہ آپ کو علم ہے، اقوام متحدہ کی تنظیم نہ تو اس دنیا میں امن قائم کر سکی اور نہ ہی انسانیت کو قومی، نسلی، وطنی اور مذہبی تعصبات سے اوپر اٹھا سکی۔ آج جمہوری حکومتیں ابی اقوام متحدہ کے اندر رہتے ہوئے جس طرح عسکری بربریت اور اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کا تماشہ دکھا رہی ہیں وہ منظر عام پر ہے، وہ سائنس اور ٹکنالوجی جو ہر طرح کی اخلاقی پابندی سے آزاد ہے، پوری دنیا کے لئے، موت کا پروانہ ہے اس کے ذریعہ آج جس طرح اس کرۂ ارض کو تباہ کیا جا رہا ہے اس کے ثبوت موجود ہیں ان تباہ کاریوں کی تفصیلات راقم السطور سے حاصل کی جاسکتی ہیں فی الوقت آپ کے سامنے اس خط کی بنا پر وہ اعداد و شمار رکھ رہا ہوں جن سے ان عظیم نقصانات کا اندازہ ہو جائے گا جو قرن ماضی میں جنگ عظیم ثانی سے انسانیت کو پہونچا ہے، یہ جنگ دراصل لیگ آف نیشنس (League of Nations) کی ناکامی کا نتیجہ تھی اور آج اس اقوام متحدہ کی روز افزوں ناکامی سے جس ہولناک سانحہ کے امکانات سامنے ہیں اس کا تخمینہ لگانے کے لئے شاید کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس عالمگیر تشویش ناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے ۱۹۰۸ء میں اس انجمن نے جس کی نمائندگی اس خط سے کی جارہی ہے یہ فیصلہ لیا کہ وہ افرادت.

اداروں سے، تنظیموں سے، اور حکومتوں سے عالمی دستور Constitu tion of earth کی توثیق کرواکر ایک عالمی پارلیمانی نظام کا قیام عمل میں لائے گی جس کی کارکردگی کا پروگرام اس خط کے ساتھ آپ کو بھیجا جا رہا ہے۔

توقع ہے کہ مستقبل قریب میں امکاناً ۲۰۰۴ء میں افریقہ کی متعدد حکومتیں اور کیوبا (Cuba) کی حکومت اس کی توثیق کر دیگی۔

پارلیمانی نظام سے دراصل ایک ایسا بین الاقوامی انصاف کا نظام International order of Justic قائم ہو جانے کے امکانات ہیں جو پوری دنیا میں اقلیتوں کا تحفظ بھی کر سکے گا۔

جس پارلیمانی نظام کا قیام یہ انجمن چاہتی ہے، اس کی اسپرٹ وہی ہے جو دستور ہند (Constitution of India) کے دفعہ ۵۱ (Article 51) کی ہے اس لئے حکومت ہند اس سے چشم پوشی نہیں کر سکی۔

آپ سے استدعا ہے کہ آپ حالات حاضرہ کا جائزہ لیتے ہوئے اور انسانیت کو ادبار، تباہ کاریوں، ظلم، اور ایک نہایت لرزہ خیز موت سے بچانے کے لئے جلد از جلد کوئی فیصلہ لیجئے، انجمن آپ کے فیصلے کا خیر مقدم کرے گی۔

فقط

معزز علی بیگ

اصلاح طلب بات

حبیب منزل علی گڑھ

۱۵/ اگست ۲۰۰۲ء

مکرمی ومحترمی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جولائی ۲۰۰۲ء کے معارف میں وفیات کے تحت عبداللطیف اعظمی صاحب مرحوم پر

آپ کا نوٹ مبسوط اور جامع ہے اور ان کی شخصیت کی بہت اچھی عکاسی کرتا ہے، اس میں صرف ایک بات اصلاح طلب ہے آپ نے تحریر فرمایا ہے ۔۔۔ ۵۵ء تا ۵۷ء میں انھوں نے مسلم یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا، یہ درست نہیں ہے وہ یہاں ایم اے (عربی) کے طالب علم رہے تھے لیکن اس کی تکمیل نہیں کر سکے تھے، درمیان ہی میں اپنی بیگم کی علالت کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے دہلی واپس چلے گئے تھے، امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

نیاز مند

ریاض الرحمن شروانی

مدرستہ الاصلاح، سرائمیر

اعظم گڑھ، یوپی

تاریخی غلطی

۹/اگست ۲۰۰۲ء

گرامی قدر   السلام علیکم

اس وقت میرے سامنے "ماہنامہ" معارف شمارہ جولائی ۲۰۰۲ء ہے۔

اس میں آپ نے میرے گہرے اور قریبی دوست جناب عبداللطیف صاحب اعظمی کے انتقال پر جو تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس سے بڑا سکون ملا، جزاک اللہ۔

لیکن اسی کے ساتھ سہواً ایک بڑی تاریخی غلطی سرزد ہوگئی ہے، اعظمی صاحب کی تاریخ وفات ۱۱/مئی ۲۰۰۲ء بروز شنبہ، بوقت ۲ بجے دن ہے اور آپ نے ۱۰ مئی ۲۰۰۲ء لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے براہ کرم تصحیح فرمالیں، ممنون ہوں گا۔

والسلام

دعا گو و طالب دعا

عبدالرحمن ناصر اصلاحی

گجرات میں رقص ابلیس

پرنس کالونی عیدگاہ ہل بھوپال

۱۲/اگست ۲۰۰۲ء

محترمی   السلام علیکم

معارف اگست ۲۰۰۲ء ملا، شذرات نے ایک بار پھر بے چین کر دیا اور فکر مند کر دیا کہ اگر یہی حالات رہے اور رقص ابلیس کا سلسلہ جاری رہا تو آئندہ کن حالات سے گزرنا پڑے گا۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ چند دردمند انسانوں اور سچے صحافیوں کے علاوہ کسی نے بھی اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی، سیاسی جماعتیں بھی اس المناک صورت حال سے مضطرب نظر نہیں آئیں، پرواروی میں کچھ آوازیں بلند ضرور ہوئیں لیکن بے اثر رہیں۔

دراصل حب الوطنی کا جذبہ ٹھنڈا پڑ چکا ہے، اس لئے کہ بقول آپ کے "صرف اپنے اقتدار سے غرض ہے"، ایسی صورت میں ملک کا مستقبل کس قدر تاریک اور بھیانک ہو جائے گا، اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں، اللہ رحم فرمائے۔

غمزدہ

عبدالقوی دسنوی۔ بھوپال

ادبیات

وہ سر سیدؒ جسے دانش ورِ بالغ نظر کہئے

از جناب وارث ریاضی صاحب☆

وہ سر سید جسے ملت کا میر کارواں کہئے
وہ سر سید جسے قوم و وطن کا پاسباں کہئے
وہ سر سید جسے دیوانۂ خیرالبشر کہئے
وہ سر سید جسے دین مبیں کا راہبر کہئے
وہ سر سید جسے سرچشمۂ علم وہنر کہئے
وہ سر سید جسے دانش ورِ بالغ نظر کہئے
وہ سر سید کہ جس کی ذات تھی حکمت کا سیارہ
وہ سر سید کہ جس کی شخصیت دانش کا گہوارہ
نکالا جہل کی تاریکیوں سے جس نے ملت کو
کیا بیدار اس کی قوتِ تسخیرِ فطرت کو
جنوں کو آگہی دی ، عقل کو دیوانگی بخشی
پریشاں قوم کو علم و خرد کی روشنی بخشی
سنوارا اک نئے جوشِ عمل سے اہلِ ایماں کو
کیا آگاہ مغرب کے تمدن سے مسلماں کو
پرودی رشتۂ تثلیث میں تسبیحِ رحمانی
بدل دی اس نے یکسر ہند میں تقدیر انسانی
وہ جس کی جہد کا نقش حسیں (۱) دنیا میں لافانی
بھلا سکتی نہیں ہر گز اسے تاریخ انسانی
نمایاں رہبرانِ علم و دانشِ میں مقام اس کا
رہے گا تا ابد دنیا میں وارث ، فیضِ عام اس کا

☆ کاشانۂ ادب سکٹا دیوراج پوسٹ بسوریا، وایا: لوریا مغربی چمپارن (۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مطبوعات جدیدہ

محمدؐ اور قرآن: از: جناب ڈاکٹر رفیق زکریا، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و کتابت وطباعت، مجلد، دیدہ زیب سرورق، صفحات ۵۸۱، قیمت ۲۰۰ روپئے، پتہ: روزنامہ انقلاب ۶۰-۵۶ ڈی، بے، دادا جی روڈ، تاردیو، ممبئی ۳۴۔

اس قابل قدر کتاب کی تالیف کا سبب اصلاً سلمان رشدی کے ناول میں قرآن و سیرت نبویؐ کے بعض پہلوؤں کی غلط ترجمانی کا رد ہے لیکن اصل مقصد اس طرز فکر کی اصلاح ہے جو قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نفی اور سیرت طیبہ کو مسخ کرنے کے درپے ہے، فاضل مصنف کا شمار ملک کے مشاہیر دانشوروں میں ہوتا ہے، تاریخ و سیاست پر ان کے خیالات کا ذریعہ اظہار انگریزی زبان ہے، مسلمانوں کے ملکی و ملی اور عصری مسائل پر ان کا خاص زاویہ نظر ہے، بحیثیت مسلم ان کو اپنے اس فرض کا احساس ہے کہ ''اپنے مذہب کے اصل جوہر کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے جو دانستہ یا نادانستہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں'' اسی احساس نے سلمان رشدی کے ناول کے سنجیدہ متوازن مدلل اور معقول تجزیے اور رد کے لئے ان کو آمادہ کیا، چنانچہ انہوں نے غزوات و سرایا، ازواج مطہراتؓ اور پیغمبر اسلام علیہ السلامؐ کے مشن کی وضاحت اس طرح کی کہ ان موضوعات کے متعلق مسیحی و استشراقی شکوک و شبہات اور ان کی تدلیسات کا شافی جواب آگیا، خاص طور پر سورۂ والنجم کی بعض آیتوں کے الحاق کے متعلق ان کی بحث اس کتاب کی جان ہے، انہوں نے بدلائل یہ ثابت کیا کہ یہ الحاقی آیتیں، قرآنی تعلیمات کے سراسر منافی اور مشرکین کے مفروضے پر مبنی ہیں، ان کا تضاد اور سیاق و سباق سے انحراف اور معاندین کی توضیحات اس درجہ مسخ شدہ ہیں کہ کوئی ذی فہم اس کہانی پر یقین کر ہی نہیں سکتا، انہوں نے واقعات انبیائے کرامؑ اور خود حیات رحمت عالمؐ کا تاریخ وار جائزہ بھی پیش کیا۔ ہے لیکن سب سے بڑھ کر ہر سورہ کی منتخب آیات اور ان کے ترجمے کا باب ہے جس کی افادیت کا غیروں نے بھی اقرار کیا ہے۔ اصل انگریزی کا ترجمہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا، زیر نظر کتاب دوسرا ایڈیشن ہے جس کی بہترین اور خوبصورت طباعت کی ذمہ داری انقلاب پبلی کیشنز نے لی، ڈاکٹر صاحب اور لائق مترجم ڈاکٹر مظہر محی الدین اور پروفیسر خلیق انجم اور جناب شکیل محمد ہرزک کی تعارفی تحریروں سے بھی کتاب آراستہ ہے، کتابت میں اب بھی چند

غلطیاں رہ گئی ہیں، ماخذ و مآخذ کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، بغیر کی بجائے بنا کا لفظ بھی مستحسن نہیں، برنارڈ شاہ، آتش غیض، سوقریضہ جیسی غلطیوں پر نظر ٹھہرتی ہے۔

بصائر القرآن: از: جناب مولانا سید اخلاق حسین قاسمی، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت، مناسب، صفحات ۴۱۹، قیمت درج نہیں، پتہ: ادارہ رحمت عالمؐ، شیخ چاند اسٹریٹ، لال کنواں، دہلی ۔۶

اسلام کے اجتماعی و سیاسی نظام کے بعض اہم پہلوؤں جیسے حق کی سربلندی، قانونِ شریعت و فطرت، خلافت حقہ، شرک جلی و خفی، جہاد، انقلاب، عدل، خلافت و امامت، تالیفِ قلب وغیرہ کے متعلق آیات قرآنی کی تشریح اس کتاب کی غرض و غایت ہے، فاضل مصنف کو علوم قرآنی سے خاص شغف ہے، قرآنیات پر ان کی متعدد کتابیں ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی مبارک سلسلے کی کڑی ہے جس میں حکمت و موعظت کی اصل داعیانہ شان کے ساتھ مقاماتِ قرآنی کے بیان کی کوشش کی گئی ہے، اور شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور معاصر مفسرین کی تحقیقات کا ماحصل اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ مطالب کی وضاحت کے ساتھ قرآن فہمی کے ذوق میں بھی اضافہ ہوتا ہے، یہی مقصود بھی ہے۔

انسانی کردار ایک نفسیاتی اور معاشرتی تجزیہ: از: جناب پروفیسر شمشاد حسین، ترجمہ: از محترمہ ذکیہ مشہدی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۶۱، قیمت ۱۵۰/ روپے، پتہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۔۴

اس کتاب کے فاضل مصنف ملک کے ممتاز ماہر نفسیات اور پٹنہ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ نفسیات ہیں، ان کی تعلیمی و علمی خدمات کا اعتراف ملک و بیرون ملک کیا گیا ہے، ان کی ایک کتاب "Understanding Human Behaviour" بہت مقبول ہوئی جس میں انسانی کردار کی تفہیم، حیوانیت، بیمار ذہن، وہم و اضطراب، ہسٹریا، شیزوفرینیا، کثرت شراب نوشی، ذہنی صحت اور فرائڈ جیسے عنوانات کے علاوہ ہندوستانی مسلم نوجوان کی نفسیات، ہندوستانی

خواتین اور ان کی عزت نفس اور بچوں اور طلبہ کے نفسیاتی مسائل پر حکیمانہ انداز سے اظہار خیال کیا گیا ہے، اس قابل قدر کتاب کے اردو ترجمے کی اشاعت کے لئے خدابخش لائبریری اور محترمہ ذکیہ مشہدی شکریے کے مستحق ہیں، ترجمہ سلیس اور رواں ہے، کتاب کا مقصد واضح ہے کہ انسان اپنے سماجی، معاشی، تعلیمی اور تہذیبی ماحول کے ساتھ رشتہ استوار رکھ سکے، پہلے ہی مضمون میں بڑے کام کی باتیں آگئی ہیں، جس میں سماجی اور تہذیبی عمل کی گرہ کشائی کے سلسلے میں دہشت گردی پر لطیف اشارے موجود ہیں، نفسیاتی مسائل کے باب میں فنی قدروں کے التزام کے ساتھ انسانی فطرت کے عین مطابق اسلامی تعلیمات کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کردیا گیا ہے تعلیم کے متعلق ان کے خیالات ہر معلم و متعلم کے مطالعہ میں آنے کے لائق ہیں، اردو میں ایسی مفید کتابوں کی بڑی کمی ہے، ادارہ خدابخش کے کارہائے نیک میں یہ کتاب واقعی اہم اضافہ ہے۔

علامہ شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد: از: جناب ابو علی اثری مرحوم، مرتب جناب ارشد علی انصاری اعظمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۳۳۸، قیمت ۱۲۵/ روپے، پتہ: گہوارۂ ادب، محلہ کاستھ ٹولہ، محمد آباد گہنہ، ضلع مئو (یوپی)

حیات شبلی و آزاد کا ایک مستقل اور بہت دلچسپ باب خود ان دونوں اکابر کے باہمی تعلقات کا ہے، مصنف تاعمر دارالمصنفین سے وابستہ رہے، علامہ شبلی اور مولانا آزاد دونوں انکی عقیدت کا مرکز تھے جن کے ذکر میں نطق کی طرح ان کا قلم بھی ہمیشہ رواں بلکہ بے خود رہتا، ان ممدوحین کے متعلق انہوں نے کثرت سے مضامین لکھے، یہ کہنا درست ہے کہ "بیش و کم ان کی تمام علمی کاوشیں ان ہی بزرگوں کی بازآفرینی کے لئے وقف ہیں" اسلوب شبلی کی رعنائی کے ساتھ یہ مضامین واقعات کے استناد و اعتبار کے لحاظ سے بھی کم وقیع نہیں، ان کے یہ مضامین اب گویا نایاب تھے، ان کے صاحبزادہ ارشد نے ان کو یکجا کرکے اس سلیقے سے اس کتاب کی شکل میں پیش کردیا کہ ذکر شبلی اور تذکرہ آزاد کے تحت مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی بلکہ دارالمصنفین سے مولانا آزاد کے تعلق خاص کی تفصیل آگئی، حبیب شبلی، جانشین شبلی، سرمد و آزاد،

مولانا آزاد کا اسلوب تحریر اور غبار خاطر وغیرہ گو مستقل مضامین ہیں لیکن ان میں بھی موضوع کتاب کی نسبت موجود ہے، کتاب پروفیسر عبدالحق اور ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی کی تعارفی تحریروں سے بھی مزین ہے، مولانا شبلی اور مولانا آزاد سے تعلق رکھنے والوں کے لئے یہ خاص طور پر بڑی پرکشش ہے۔

بیان میرٹھی اور غالب :از: جناب ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد صفحات ۱۵۶، قیمت ۵۰/روپئے، پتہ: رحیم اسٹورس، حیدری روڈ مومن پورہ، ناگپور ـ ۱۸

ڈاکٹر شرف الدین ساحل بڑے زود نویس اہل قلم ہیں، ناگپور کی علمی و تحقیقی آبروان سے قائم ہے، ودربھ کی علمی وادبی تاریخ ان کا خاص موضوع ہے، غالبیات بھی ان کا پسندیدہ مضمون ہے، زیر نظر کتاب میں انہوں نے غالب کے ایک شیدائی بیان میرٹھی کے حالات اور غالب سے ان کے ذہنی رشتے کی تفصیل بڑی محنت سے جمع کردی ہے، اس سے پہلے لائق مصنف نے خود بیان میرٹھی کی حیات وشاعری پر ایک عمدہ کتاب مرتب کی تھی، یہ کتاب گویا اسی کا تتمہ ہے جس میں انہوں نے غالب کی زمین پر بیان کی غزلوں اور خطوط نگاری میں طرز غالب کی پیروی کا فنی جائزہ لیا ہے، ان کے خیال میں بیان کی غزلوں میں وہی جدت، ندرت اور انفرادیت ہے جو غالب کے لئے مقدر تھی، اس سلسلے میں انہوں نے بیان کی غزلوں کے علاوہ ان کے خطوط کو یکجا کر کے ان میں رنگ غالب کی نشان دہی کی ہے، اور عام خیال کے برخلاف یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بیان نے غالب سے ملاقات بھی کی اور ان کی خدمت میں اپنی ایک غزل بھی پیش کی، مقدمہ مشہور ماہر غالبیات کالی داس گپتا رضا کے قلم سے ہے، جنہوں نے اس کتاب کو غالبیات میں ایک عمدہ اضافہ قرار دیا ہے، البتہ دیرپا اور آنے والے ادوار کے تقاضوں کو پورا کرنے والی شاعری کا اطلاق صرف غالب کی شاعری پر کرنا کم از کم اقبال کی موجودگی میں محل نظر ہے۔

ع۔ص